انوار النظر
فی
آثار الظفر
فقیہ الامت شیخ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی مدظلہم
کی
خود نوشت سوانح حیات
مرکزی مجلس صیانۃ المسلمین لاہور
toobaa-elibrary.blogspot.com

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

انوار النظر فی آثار الظفر

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہم العالی

کی

خودنوشت سوانح

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد وکیل احمد خان صاحب شیروانی دامت برکاتہم

مرکزی مجلس صیانۃ المسلمین

۶۹۔ شارع قائداعظم مسجد اشرفی لاہور

رجب ۱۳۸۸ھ

سلسلۂ اشاعت ۳۰

قیمت : دو روپے

تعداد — ایک ہزار

ماہ — رجب المرجب ۱۳۸۸ھ

قیمت — ۲ روپے

مطبع — اشرف پریس ایبک روڈ لاہور

ناشر — مرکزی مجلس صیانۃ المسلمین ۴۹ شارع قائد اعظم لاہور

وکیل احمد خان شیروانی

طابع — ع۔ ج سالک خادم مجلس ہذا

و

مکتبہ اشرفیہ معرفت جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

گذارش

الحمد للہ رب العلمین والسلام والصلوٰۃ علیٰ رسولہ الکریم

ولی اللٰہی خاندان کے درخشان نجوم ہدایت سے لے کر قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور ان کے اصحاب و رفقاء کی مساعی جمیلہ اور ان کے مبارک اثرات و نتائج آج بھی بحمد اللہ تعالےٰ نہ صرف ہند و پاکستان میں بلکہ پورے دنیائے اسلام میں نمایاں طور پر باقی ہیں۔

اسی مسلک و مشرب اور مکتبہ فکر کی ایک اہم ترین شخصیت بقیۃ السلف حجۃ الخلف، مجدد الملت حضرت سیدنا و مولانا حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کو حق تعالےٰ نے حقیقی معنی میں "حکیم الامت" بنایا تھا۔ مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی فکر ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کی موجودہ ہمہ گیر کشمکش سے نجات کا نہ صرف راستہ بتا دیا ہے بلکہ اس کو سہل اور آسان کر کے امت کے سامنے مجلس صیانۃ المسلمین کے نظام عمل کی صورت میں پیش فرما دیا ہے۔

اس مجلس کی بنیاد خود حضرت حکیم الامت نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی تھی۔ پاکستان میں اس کی نشأۃ ثانیہ حضرت قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص رئیس الامت حضرت مولانا حافظ شاہ

ب

محمد شوکت جلیل احمد صاحب علیگڑھی شیروانی کی پرخلوص کوششوں سے ہو رہی

اب یہ مجلس عالم ربانی حضرت مولانا سید محمد نجم الحسن صاحب تھانوی

(نواسہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ) کے زیر صدارت ۶۹۔ شارع قائد اعظم

کے مرکزی مقام پر مصروف تبلیغ ہے۔ آج کل مجلس کے زیر اہتمام ہفتہ وار

درس قرآن ہر اتوار صبح ساڑھے نو بجے اور جمعۃ المبارک کے فرائض مسجد

اشرفی ۶۹۔ شارع قائد اعظم لاہور میں مجلس کے روح رواں حضرت مولانا

وکیل احمد صاحب شروانی مدرس جامع اشرفیہ لاہور (صاحبزادہ رئیس

الامت حضرت مولانا شاہ محمد شوکت جلیل احمد صاحب شروانی علیگڑھی)

انجام دے رہے ہیں۔

خدام مجلس کی یہ خوش قسمتی مولانا موصوف ہی کی مرہون منت ہے

کہ تحریک پاکستان کے سلسلے میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے دست

راست عالم ربانی فاضل یزدانی شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد

صاحب عثمانیؒ کی خود نوشت سوانح آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں

جس میں دیگر سوانحی حالات کے علاوہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں بعض

تاریخی حقیقتوں سے پردہ کشائی کی گئی ہے۔

مجلس صیانۃ المسلمین ایک خالص دینی تبلیغی ادارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے

دعا ہے کہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں اس کی اہمیت جاگزیں فرما دے تاکہ

بفضلہ تعالیٰ ان کے تعاون سے مجلس کی پرخلوص کوششوں کی رفتار میں ترقی

ہو۔ آمین۔ والسلام۔

ع۔ ج۔ سالک خادم مجلس ۱۶ رجب ۱۳۸۸ھ

گذارش

الحمد للہ رب العٰلمین والسلام والصلوٰۃ علیٰ رسولہ الکریم

ولی اللہی خاندان کے درخشاں نجوم ہدایت سے لے کر قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور ان کے اصحاب و رفقاء کی مساعی جمیلہ اور ان کے مبارک اثرات و نتائج آج بھی بحمد اللہ تعالےٰ نہ صرف ہند و پاکستان ہیں بلکہ پورے دنیائے اسلام میں نمایاں طور پر باقی ہیں۔

اسی مسلک و مشرب اور مکتبہ فکر کی ایک اہم ترین شخصیت بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، مجدد الملت حضرت سیدنا و مولانا حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کو حق تعالےٰ نے حقیقی معنی میں "حکیم الامت" بنایا تھا۔ مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی فکر ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کی موجودہ ہمہ گیر کشمکش سے نجات کا نہ صرف راستہ بتا دیا ہے بلکہ اس کو سہل اور آسان کر کے امت کے سامنے مجلس صیانۃ المسلمین کے نظام عمل کی صورت میں پیش فرما دیا ہے۔

اس مجلس کی بنیاد خود حضرت حکیم الامت نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی تھی۔ پاکستان میں اس کی نشاۃ ثانیہ حضرت قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص رئیس الامت حضرت مولانا حافظ شاہ

محمد خوشوقت جلیل احمد صاحب علیگڑھی شیروانی کی پرخلوص کوششوں سے ہوئی
اب یہ مجلس عالم ربانی حضرت مولانا سید محمد نجم الحسن صاحب تھانوی
(نواسہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ) کے زیر صدارت ۶۹۔ شارع قائد اعظم
کے مرکزی مقام پر مصروف تبلیغ ہے۔ آج کل مجلس کے زیر اہتمام ہفتہ وار
درس قرآن ہر اتوار صبح ساڑھے نو بجے اور جمعۃ المبارک کے فرائض مسجد
اشرفی ۶۹۔ شارع قائد اعظم لاہور میں مجلس کے روح رواں حضرت مولانا
وکیل احمد صاحب شروانی مدرس جامع اشرفیہ لاہور (صاحبزادہ رئیس
الامت حضرت مولانا شاہ محمد خوشوقت جلیل احمد صاحب شروانی علیگڑھی)
انجام دے رہے ہیں۔

خدام مجلس کی یہ خوش قسمتی مولانا موصوف ہی کی مرہونِ منت ہے
کہ تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے دستِ
راست عالم ربانی فاضل یزدانی شیخ الاسلام حضرتؒ مولانا ظفر احمد
صاحب عثمانی کی خود نوشت سوانح آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں
جس میں دیگر سوانحی حالات کے علاوہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں بعض
تاریخی حقیقتوں سے پردہ کشائی کی گئی ہے

مجلس صیانۃ المسلمین ایک خالص دینی تبلیغی ادارہ ہے۔ اللہ تعالےٰ سے
دعا ہے کہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں اس کی اہمیت جاگزیں فرمادے تاکہ
بفضلہ تعالےٰ ان کے تعاون سے مجلس کی پرخلوص کوششوں کی رفتار میں ترقی
ہو۔ آمین۔ والسلام۔

ع۔ ج۔ سالک خادم مجلس ۱۶ رجب ۱۳۸۹ھ

ج

صیانۃ المسلمین ـــ حیاۃ المسلمین

جمہوری نظام اور شخصی اصلاح

کا جامع اور اکسیری نسخہ

بعد الحمد والصلوٰۃ، حیات المسلمین اور صیانۃ المسلمین کے متعلق حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے کہ "یہ دو کتابیں انشاء اللہ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے پیام عمل ہے۔ ایک حیات المسلمین شخصی اصلاح کے لئے، دوسری صیانۃ المسلمین جمہوری نظام کے لئے۔ ان کے مضامین اپنے موضوع میں گو رنگین نہیں مگر سنگین ہیں الخ"

(اقتباس از والانامہ بنام مسلم لیگ اپریل ۱۹۴۲ء)

مجھے یہ معلوم کر کے نہایت مسرت ہوئی کہ لاہور میں ۶۹ مال روڈ پر مجلس صیانۃ المسلمین قائم ہے جو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے ارشاد کے موافق شخصی اور جمہوری ہر دو نظام پر عمل کرنے کے لئے قائم ہوئی ہے اور بڑی خوشی اس کی ہے کہ دردمند اہل اسلام اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں

؎ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

امید ہے کہ اس سے مسلمانوں کی شخصی اور جمہوری اصلاح میں جلد کامیابی ہو گی۔ اگر عذر ضعف مانع نہ ہوتا تو میں خود بھی اس مجلس کے نظام میں عملاً شریک ہوتا۔ چنانچہ ڈھاکہ میں بھی یہ مجلس قائم ہوئی ہے اور بندہ نے چاٹگام کے دورہ میں اس مجلس کے ارکان کے ساتھ شرکت کی تھی جس سے مجلس کو مسلمانوں میں

قبولِ عام حاصل ہوا اور ترقی ہو رہی ہے۔
خدا کرے میری اس تحریر سے بھی مجلس کو فائدہ پہونچے اور دردمندانِ اسلام
اس کی ترقی میں کوشش کریں۔
آخر میں یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس مجلس کو اُس تبلیغ سے جس کا
مرکز ہندوستان میں نظام الدین دہلی اور پاکستان میں رائے ونڈ ہے، پورا
اتفاق اور تعاون حاصل ہے کیونکہ دونوں کا مقصد خدمتِ اسلام اور
اصلاحِ مسلمین ہے۔
صرف طریق کار کا فرق ہے کہ پہلی تبلیغ چند اصول میں منحصر ہے اور صیانۃ
المسلمین پوری شریعت پر حاوی ہے۔ جیسا حیات المسلمین کے مطالعہ
سے ظاہر ہے۔
صیانۃ المسلمین میں پہلی تبلیغ کے اصول بھی شامل ہیں جیسا کہ تفصیل
المسلمین سے بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ والسلام

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ
شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار
اشرف آباد حیدرآباد
سندھ

نگاہِ اولین ——— تعمیرِ پاکستان

(از حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — حامداً و مصلیاً و مسلماً

پاکستان معرضِ وجود میں تو ۱۹۴۷ء میں آیا مگر اس سلسلے میں سعی و کوشش کی خشتِ اوّل ۱۸۵۷ء میں علمائے دین خصوصاً علمائے تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی نے رکھی تھی۔ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے بعد جو خطرہ مسلمانوں کے دین و دنیا کو لاحق ہوا، اس کا سدّباب کرنے کے لئے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی و مہاجر مکیؒ، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید تھانویؒ وغیرہ بزرگوں اور اطرافِ ملک میں ان بزرگوں سے تعلق رکھنے والوں نے ہی سب سے اوّل جہاد سے کام لیا۔ بہت سے علماء و بزرگ اس میں شہید ہوئے اور بہت سے ہجرت کر گئے۔ انگریزوں نے تھانہ بھون کے سب مسلمانوں کی تمام صحرائی و سکنائی جائدادیں ضبط کر لی تھیں۔ یہ حکومتِ برطانیہ کی طرف سے اس حقیقت پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے کے مترادف ہے کہ اس "جہادِ آزادی" کے بانی یہی لوگ تھے۔ دینی خطرات کو محسوس کر کے جگہ جگہ دین کے مدرسے قائم کرنا جن کی بدولت آج اسلام پاکستان و ہندوستان میں دنیا بھر سے زیادہ نمایاں مل رہا ہے۔ اسی سرچشمہ کا فیض ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی جنگی تیاریاں، آویزشیں اور پٹھانوں ہی کی غداری سے ختم ہونا کس سے مخفی ہے؟ اس کے بعد ریشمی رومال

کی تحریک، پھر خلافت کمیٹی کا کام انہی بزرگوں کے جانشینوں کے کارنامے ہیں۔ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ تحریک خلافت کے طریق سے تو اختلاف رکھتے تھے لیکن اصل مقصد سے انہیں کوئی اختلاف نہ تھا کیوں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کے اشتراک کو مضر اور ان کی غداری کا اندیشہ رکھتے تھے جو بعد میں سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ انگریزوں کے پاؤں اکھڑ جانے کے بعد ان کو ہندوستان میں جانشین بنانے والے ہندو لیڈر ہی تھے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے نزدیک ہندوؤں سے اشتراک عمل اس لیے مضر تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم، ان کے نظریات الگ، طور طریق الگ، تعلیم و تمدن الگ، وہ خدائے وحدہٗ کے پرستار اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہی وہ اصول ہے جس پر پاکستان کی بنیاد ہے کانگریس اول اول ہر مذہب و ملت کے حقوق حاصل کرنے کے وجود میں آئی۔ اسی لیے مسلمان اس میں شامل ہو گئے مگر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو اول روز ہی سے اس پر اطمینان نہ ہوا۔ انہوں نے اسے ہندوؤں کی چال قرار دیا۔ آخر وہ ظاہر ہو نے لگی ؎

تو نہ بیند زہر چہ گوید دیدہ گو بیند

یہ دیکھ کر کہ ہندو کانگریس کے ذریعے رام راج کی بنیاد رکھ رہے ہیں، مسلمانوں نے اس سے کنارہ کشی شروع کر دی۔ اسی زمانہ میں قائد اعظم بھی کچھ عرصہ کانگریس میں شریک رہنے کے بعد الگ ہوتے تھے اور

پھر مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی ، اور مسلمانوں کو الگ مستقل قوم منوانے کی کوشش شروع کردی۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدظلہم تحریک خلافت اور کانگرس سے اختلاف میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے دست راست تھے۔ زیادہ تر عملی خدمات میں مولانا ہی پیش پیش تھے۔ خلافت کمیٹی کے زمانہ میں جو لوگوں نے بائیکاٹ، قتل کی دھمکیاں، گالیاں اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، حضرت تھانویؒ کے ساتھ مولانا موصوف بھی برابر اس کا نشانہ بنتے رہے۔

اسی طرح لیگ کانگرس کی آویزش میں بھی ہدف ملامت بنتے رہے مگر جس صورت کو حق اور اسلام و مسلمانوں کے لئے مفید سمجھا ان بزرگوں کے قدم اس سے ڈگمگا نہ سکے۔

جن بزرگوں کو خلافت کمیٹی میں ہندوؤں کا اشتراک جس میں مسلمان اصل تھے اور ہندو تابع ، مضر بلکہ ناجائز معلوم ہوا تھا وہ کانگرس کی شرکت جس میں ہندو اصل اور مسلمان تابع اور وہ بھی بلا شرط کیسے جائز قرار دے سکتے تھے اور پھر کانگرس میں ظلم و زیادتی، جائیدادوں کا غصب اور ہندوؤں کی رضاجوئی میں بہت سے ناجائز امور کا ارتکاب کیسے جائز کہا جا سکتا تھا۔

حضرت تھانویؒ کی تحریرات و تقریرات اور افادات اشرفیہ، امداد الفتاویٰ اور ملفوظات میں بھی اس بارے میں بہت کچھ حصہ موجود ہے۔

بلکہ ملفوظات میں تو جو کانگریس کے غلبہ سے کشت وخون کے جاندلیتے
سچے وہ بھی بیان ہیں جن کو بعد میں سب لوگوں نے دیکھ لیا۔ بالکل خلاف
عادت ایک دفعہ شب کے دو بجے حاجی سعید اللہ صاحب عثمانی سے فرمایا بھی
دیا تھا کہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بن جائے گا۔

مسلم لیگ وکانگریس کی آویزش کے دوران جب بہت سے سوالات
حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں آتے تو حضرت حکیم الامت
تھانویؒ کے ارشاد سے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہم نے گیارہ
بارہ سوالات جمعیۃ علمائے ہند اور مسلم لیگ کو بھیجے۔

افسوس کہ باوجود متعدد بار یاددہانیوں کے جمعیۃ علمائے ہند نے
کوئی جواب نہ دیا اور مسلم لیگ نے قابل اطمینان جوابات پیش کئے۔ اس
پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان فرمایا
نیز فروری ۱۹۲۹ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس میں مولانا احمد سعید
صاحب کی طرف سے دعوت کے جواب میں یہ بھی تحریر فرمادیا:۔

"شرعی حیثیت سے صرف اپنی رائے کا اظہار کرتا ہوں
جس کے متعلق مولانا کفایت اللہ صاحب سے زبانی گفتگو
بھی ہو چکی ہے اور اب تو زاقعات نے مجھ کو اس رائے پر
بہت ہی پختہ کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خصوصاً
حضرات علماء کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک
مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا

نہایت ضروری ہے۔ علمائ کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنا چاہیئے
تاکہ ان کی تنظیم خالص دینی اصول پر ہو اور کانگریس میں
مسلمانوں کو داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی
موت کے مترادف ہے۔ والسلام''، اشرف علی۔

(افادات ص۵۸)

چنانچہ حضرت تھانوی رح کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت میں اعلان
کا شائع ہونا تھا کہ مسلمان جوق جوق مسلم لیگ میں شریک ہونا شروع
ہو گئے۔

اجلاس پٹنہ میں بھی حضرت تھانوی رح نے ایک وفد حضرت مولانا
مفتی محمد شفیع صاحب و مولانا مرتضیٰ حسن صاحب و مولانا شبیر علی
صاحب تھانوی پر مشتمل روانہ کیا اور ایک پیام پڑھنے کے لئے دیا جس
میں اپنی دو کتابوں "حیات المسلمین" (انفرادی اصلاح کے لئے) اور
صیانۃ المسلمین[1] (اجتماعی درستی کے لئے) کی نشاندہی فرمادی۔
اس کے بعد پورے ملک میں لیگ ہی لیگ چمک اٹھی اور خود قائد
اعظم اور مسلم لیگ کے دوسرے ارکان نے اس کا اعتراف کیا۔

---

[1] الحمد للہ تعالےٰ اس کتابچہ صیانۃ المسلمین کے نظام کے مطابق عالم
ربانی نواسہ حکیم الامت تھانوی حضرت مولانا مولوی سید محمد نجم الحسن
صاحب تھانوی رح مدظلہم کی زیر صدارت مجلس صیانۃ المسلمین ہی کے نام سے
مسجد اشرفی ۹۰ شارع قائد اعظم لاہور کے مرکزی مقام پر کام ہو رہا ہے
(سالک)

ف

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریک پاکستان کو شاہراہ کامیابی پر گامزن چھوڑتے ہوئے ۱۹۴۳ء میں عالم آخرت کو تشریف لے گئے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بھی حضرت حکیم الامت تھانوی ہی کے ایماء پر تحریک پاکستان کو کامیاب کرانے کے بعد پاکستان میں آئین اسلامی کے نفاذ کی بھی پوری کوشش کرتے ہوئے ۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو اللہ کو پیارے ہوئے۔ مگر ان دونوں بے مثال شخصیتوں کے دست راست، سب کاموں کے شریک حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہم آج بھی پاکستان میں تشریف فرما ہیں۔

پاکستان کے حقیقی معمار موجودہ لوگوں میں صرف حضرت مولانا موصوف ہی کہلائے جا سکتے ہیں۔ اب یہ ارباب حکومت کا فرض ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنی صلاحیتوں سے دنیا بھر میں پاکستان کا وقار قائم کیا ہے اور دنیاوی ترقی کی شاہراہ پر لگا دیا ہے وہ اس دنیائے اسلام کی سب سے بڑی حکومت کو دین کے اعتبار سے بھی مثالی بلکہ بے مثال حکومت بنا دیں۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کی ہستی سے بہتر اس کام کے لئے دوسرا شخص ملنا مشکل ہے کہ جن کی رگ رگ میں دین بھرا ہو جن کی پوری زندگی تقویٰ، خوف خدا اور حب خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین ہو۔ علم دین کی پوری گہرائی میں غوطہ زن ہوں اور باطن

میں معرفت و تزکیہ کے اعلیٰ پیمانہ پر ہوں اور اول دن سے پاکستان کی بنیادوں کو راسخ کرنے والے ہوں۔ ایسی ہستی صحیح معنوں میں پاک وہند میں دوسری ملنی مشکل ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہم نے پاکستان کے لئے تخم پاشی و آبیاری میں کیا کیا کام انجام دیئے؟ وہ آپ، انہی کے قلم سے ان صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اللہ جزائے خیر عطا فرمائیں جناب حسام اللہ شریفی صاحب کو کہ وہ حضرت مولانا سے استفسارات کرکے اس حقیقت کو صفحہ قرطاس پر لانے کے سبب بنے اور اراکین مجلس صیانۃ المسلمین کو اپنی رضائے کاملہ نصیب فرمائے کہ انہوں نے اس کو عملاً زیورِ طبع سے آراستہ کرکے آپ کے سامنے لا رکھا ورنہ اکیس سالہ عرصہ میں کبھی اس کی طرف نہ علماء کی توجہ ہوئی نہ عوام کی۔

حضرت مولانا کو ابوداؤد شریف کے شارح حضرت مولانا شاہ خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کے درباروں سے فیض حاصل ہوا۔ اس لئے آپ کا باطن دوآتشہ بن گیا۔

پھر علم کی گہرائی، وسعت معلومات اور عام حالات پر نظر کے لئے خانقاہِ اشرفیہ میں برس ہا برس عملاً خدمت افتاء میں مشغول رہے اور عجیب غریب اونچی سطح کی علمی تالیفات نوک قلم سے منصہ شہود پر

آئیں جن کے نام اصل رسالہ میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ایک ہزار

دو عجیب غریب کتابیں کہ جن کی مثال سے دنیا خالی تھی اور

سال سے اب تک ایسی کتابیں کسی سے پیش نہ ہوتی تھیں، وہ

حضرت مولانا کے قلم فیض رقم سے حضرت حکیم الامت تھانوی کی نگرانی

اور حکم کے تحت وجود میں آئی ہیں جن کی ابتداء تو حضرت تھانوی نے

فرمائی تھی اور ان کی تکمیل مولانا کے قلم سے مندرجہ ہوئی ہے۔ ایک

اعلاء السنن دوسری احکام القرآن دونوں عربی میں ہیں۔

فقہ اسلامی حنفی کن کن آیات و احادیث سے ماخوذ ہے یکجائی طور

پر اس کے لئے اب تک کوئی ایسی کتاب دنیا بھر میں موجود نہ تھی احکام

القرآن میں آیات و الفاظ قرآنی سے ان کے ماخذ اور طریقہ ہائے اخذ پیش

فرماتے ہیں اور اعلاء السنن کی بیس ضخیم جلدوں میں وہ احادیث مع صحت

و جوابات شبہات و شرح پیش کی ہیں جن سے فقہ حنفی ماخوذ ہے

کم علم یا پروپیگنڈہ والے لوگ بے باکی سے یہ کہدیا کرتے تھے

کہ مذہب حنفی صرف قیاسات کا مجموعہ ہے اور اس طرح مسلمانوں میں

ایک نیا فرقہ بنا ڈالا احناف۔ یہ دونوں کتابیں ان کے لئے سرمہ بصیرت اور

احناف کے لئے سرمایہ اطمینان ہیں جو ہزار سال کے بعد یکجائی طرز سے

عالم وجود میں آگئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو ان تمام خدمات کے بہترین صلات عطا

فرمائیں۔ آمین۔

جمیل احمد تھانوی

۱۳۸۰ھ

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالےٰ

انوار النظر فی آثار الظفر

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ رسالہ ایک کرم فرما کے چند سوالات کے جواب میں ہے سوالات حسب ذیل ہیں۔

(نقل مکتوب) ۷۸۶

حضرۃ مخدومنا المکرم المحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ ایک زیر ترتیب "تذکرۂ علماء" کے لئے آپ کا تعاون درکار ہے۔ اس سلسلے میں چند سوالات ارسال ہیں۔ آپ سے توقع ہے کہ اپنی اولین فرصت میں اپنے متعلق درج ذیل معلومات فراہم کر کے اپنے اس ادنیٰ خادم کو ممنون فرمائیں گے

۱۔ والد صاحب کا اسم گرامی اور ان کے مختصر سوانح اور علمی خدمات؟ (جواب بر صفحہ ۵)

۲۔ آپ کا ابتدائی اسم گرامی؟ (جواب بر صفحہ ۵)

۳۔ تاریخی نام (اگر کوئی ہو)؟ (جواب بر صفحہ ۵)

۴۔ تاریخ ومقام ولادت؟ (جواب بر صفحہ ۵)

۵۔ بچپن کے قابل ذکر واقعات؟ (جواب بر صفحہ ۶)

۶۔ زمانۂ تعلیم؟ (جواب بر صفحہ ۸۸)

۷۔ کن مدارس میں تعلیم حاصل کی؟ (جواب بر صفحہ ۸۸)

۸۔ طالب علمی کے زمانہ کے قابل ذکر واقعات؟ (جواب بر صفحہ ۸۸)

(جواب بر صفحہ ۸۹)

۹۔ اساتذہ ؟

۱۰۔ سندِ حدیث کون کون سے علماء سے حاصل کی ؟ (جواب بر صفحہ ۹۰)

۱۱۔ اساتذہ میں سے متاثر کرنے والی شخصیت ؟ (جواب بر صفحہ ۹۰)

۱۲۔ دوسری شخصیات جن سے آپ متاثر ہوئے ؟ (جواب بر صفحہ ۹۰)

۱۳۔ تدریسی زندگی اختیار کرنے کا سبب ؟ (جواب بر صفحہ ۹۱)

۱۴۔ تدریسی زندگی کے قابلِ ذکر واقعات ؟ (جواب بر صفحہ ۹۲)

۱۵۔ علم و فن کی کون سی شاخ آپ کی خصوصی دلچسپی کا مرکز ہے ؟ (جواب بر صفحہ ۹۴)

۱۶۔ علمی خدمات کہاں کہاں انجام دیں ؟ (جواب بر صفحہ ۹۴)

۱۷۔ تصانیف وغیرہ ؟ (جواب بر صفحہ ۹۵)

۱۸۔ درسِ نظامی کے متعلق آپ کی رائے (اگر آپ اس میں اصلاح و ترمیم ضروری سمجھتے ہیں تو وہ کس بنیاد پر کی جائے ؟ (جواب بر صفحہ ۹۸)

۱۹۔ اصلاحِ معاشرہ کے لئے آپ کون سی تجاویز پیش کرتے ہیں ؟ (جواب بر صفحہ ۱۰۱)

۲۰۔ مزید کوئی قابلِ ذکر بات (مثلاً تقسیم ہند میں آپ کی خدمت وغیرہ ؟ (جواب بر صفحہ ۱۰۱)

گو آپ کی دینی و علمی مصروفیات بے شمار ہیں۔ جن کا مجھے پورا احساس ہے مگر ان میں سے کچھ وقت اس انتہائی اہم ضرورت کے لئے نکال کر مذکورہ سوالات کے جواب سے مطلع فرمائیے۔ آپ کی انتہائی نوازش ہو گی۔

والسلام

خادم : محمد حسام اللہ شریفی

شعبۂ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

مورخہ : ۲۲ ، جولائی ۱۹۶۶ء

اَلجَوَابُ وَاللهُ المُوَفِّقُ لِلحَقِّ وَالصَّوَابِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

عنایت نامہ پہنچا، اپنے حالات کیا لکھوں ؟ جس کو فنا کا سبق پڑھایا گیا ہو وہ اپنے وجود ہی کو گناہ سمجھتا ہے، حالات کا کیا ذکر ؟

وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب

تو درو گم شو، وصال ایں است و بس

گم شدن گم کن، کمال ایں است و بس

—— مگر آپ کی طلب اور حسنِ ظن کی خاطر کچھ لکھے دیتا ہوں :-

۱- والد صاحب کا نام شیخ لطیف احمد عثمانی (مرحوم) ہے۔ زمیندار تھے۔ فارسی اور کچھ انگریزی پڑھے ہوئے تھے۔ دادا مرحوم شیخ نہال احمد صاحب دیوبند کے بڑے رئیس تھے۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ دارالعلوم دیوبند میرے دادا کے بہنوئی اور والد صاحب کے پھوپا تھے۔ سوانح قاسمی میں جا بجا دادا مرحوم کا تذکرہ آیا ہے۔ سنا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی قدیم عمارت جس زمین میں ہے وہ میرے دادا مرحوم کی دی ہوئی ہے۔

۲- میرا ابتدائی نام ظفر احمد ہی ہے مگر ننھیال نے ظریف احمد نام رکھا تھا جو پرانے سرکاری کاغذات میں ہے۔ زبانوں پر نہیں تھا۔

۳- تاریخی نام والد صاحب نے تو نہیں رکھا، بعض احباب نے مرغوب نبی نکالا تھا

۴- ۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۰ھ بمقام دیوبند محلہ دیوان، اپنے جدی گھر میں پیدا ہوا۔

۵۔ بچپن کے قابل ذکر واقعات کچھ یاد نہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ میں ڈھائی تین سال کا تھا کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ والد صاحب نے دوسرا نکاح کر لیا اور میری پرورش دادی صاحبہ مرحومہ نے کی۔

والد صاحب حاجی عابد حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ اس لئے نماز پنجوقتہ اور روزے کے پابند تھے۔ میں بھی بچپن ہی سے نماز روزے کا عادی تھا۔ مجھے یاد ہے کہ پہلا رمضان جس کا میں نے روزہ رکھا تھا، سردی کے موسم میں آیا تھا۔ اس وقت میری عمر تقریباً سات سال کی تھی اور میں مکتب میں پڑھنے جاتا تھا۔ اسی سال ختنہ بھی ہوئی۔

والدہ مرحومہ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس سرہ کی حقیقی بہن تھیں۔ مرنے سے پہلے حضرت مولانا کو وصیت کر دی تھی کہ میرے بڑے بھائی (مولانا سعید احمد مرحوم) کو خود پڑھائیں اور عالم بنائیں۔ اس لئے بڑے بھائی صاحب نے جب قرآن حفظ کر لیا تو مولانا نے ان کو دیوبند سے تھانہ بھون بلا لیا۔ حفظ قرآن کا اہتمام بھی والدہ مرحومہ نے کیا تھا جو ان کے انتقال کے بعد بھی والد صاحب نے بدستور قائم رکھا کہ ایک حافظ صاحب برابر گھر پر آتے اور بھائی صاحب کو سبق دیتے اور آموختہ سنتے تھے۔

مجھے والد صاحب نے حافظ نہیں بنایا۔ میں نے ناظرہ قرآن حافظ نامدار صاحب اور حافظ غلام رسول صاحب اور مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم سے پڑھا ہے۔ اول الذکر دونوں دارالعلوم دیوبند کے مدرس قرآن اور مولوی نذیر احمد صاحب میری دادی صاحبہ کے بھائی تھے۔ وہ ایک رئیس کے مکان

پر بچوں کو پڑھاتے تھے۔
دادی صاحبہ مرحومہ اکثر دیوبند سے تھانہ بھون آیا کرتی تھیں اور مجھے ساتھ لاتی تھیں تو میں تھانہ بھون میں بھی جتنے دن رہتا، قرآن کا سبق ناغہ نہ کرتا تھا۔ حافظ عبداللطیف نابینا کے پاس پڑھتا رہتا جن سے بعد میں حفظِ قرآن کی دولت بھی مجھے نصیب ہوئی جب کہ میں درسیات سے فارغ ہو کر درس و تدریس، افتاء اور تصنیف و تالیف میں مشغول تھا اور اپنی عمر کے چالیس سال پورے کر چکا تھا)

ناظرہ قرآن ختم کر کے درجۂ فارسی دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ اس وقت عمر نو سال تھی۔ فارسی کتابیں ابتداء سے گلستان، بوستان تک مولانا محمد یاسین صاحب سے پڑھی تھیں جو مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مہتمم دارالعلوم لانڈھی (کراچی) کے والد ماجد تھے۔
حساب منشی منظور احمد صاحب دیوبندی سے سیکھا جو درجۂ فارسی کے مدرسِ دوم تھے۔ والد صاحب گھر پر انگریزی بھی پڑھاتے تھے۔ مگر میں ہر کتاب کو پڑھ کر جلا دیتا تھا۔
ایک دفعہ تیسری کتاب میں کوئی لفظ دوسری کتاب کا آیا میں اس کا ترجمہ نہ کر سکا تو والد صاحب نے دوسری کی کتاب طلب کی۔ میں نے کہا "وہ جلا دی گئی"۔ پوچھا "کیوں"؟ میں نے کہا "آپ بڑے بھائی صاحب کو عالمِ دین بنانا چاہتے ہیں اور مجھے جاہل رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں انگریزی سے نفرت کرتا ہوں، جو کتاب ختم ہوتی ہے جلا دیتا ہوں" کہا "تو تم بھی اپنے

ماموں صاحب کے پاس چلے جاؤ"۔

جب میں گلستان پڑھتا تھا، میری دادی صاحبہ تخت پر بیٹھا کر دفرش بچھا کر اور تکیہ رکھ کر مجھے بیٹھلاتیں) فرماتیں "جو تم نے پڑھا ہے، اپنے ماموں کی طرح بطور وعظ کے بیان کردو" چنانچہ میں گلستان، بوستان کی حکایات بیان کرتا اور مستورات بڑے شوق سے سنتی تھیں جب والد صاحب دیوبند سے باہر ملازمت پر چلے گئے تو یہاں میں نے بڑے بھائی صاحب کو خط لکھا کہ میں انگریزی پڑھنا نہیں چاہتا اور والد صاحب کے ساتھ جو گفتگو اس سلسلے میں ہوئی تھی اس کا ذکر کر کے انہیں لکھا کہ حضرت ماموں صاحب سے اس کا تذکرہ کر کے جو کچھ ارشاد فرمائیں، مجھے اطلاع دیں۔

بھائی صاحب کا جواب آیا کہ حضرت مولانا تمہارے خط سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تم بہت جلد تھانہ بھون پہنچ جاؤ۔ اس وقت میری عمر بارہ ۱۲ سال تھی۔

میں نے ایک گھوڑا اپنے دھوبی کا کرایہ پر لیا اور وہ میرے ساتھ تھانہ بھون تک آیا پھر واپس ہو گیا۔ اب میں نے ابتدائی عربی شروع کی۔ میزان الصرف مولانا محمد یاسین صاحب نے شروع کرادی تھی۔ مگر میں نے تھانہ بھون آکر از سرِ نو ابتدا کی۔

اس وقت حضرت حکیم الامت رح کے ماموں منشی شوکت علی صاحب مرحوم خانقاہ امدادیہ کے مدرسے میں فارسی کے مدرس تھے۔ وہ فارسی زبان کے ماہر بھی تھے اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ میں نے حضرت حکیم الامت رح

کے اشارہ سے ان کے پاس گلستاں دوبارہ شروع کی۔ حضرت حکیم الامت ؒ کو اس کا اہتمام تھا کہ ہر فن اس کے ماہر سے حاصل کیا جاتے۔ چنانچہ ابتدائی تعلیم عربی مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی مصنف تیسیر المبتدی کے سپرد کی گئی۔ مولانا نے تیسیر المبتدی ہمارے ہی واسطے لکھی تھی جس کو میزان کے ساتھ ہم نے پڑھا اور پنج گنج و نحو میر تک برابر اس کا بھی سبق لیتے رہے۔ مولانا پڑھاتے کم تھے، اجرائے قواعد زیادہ کراتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ نحو میر پڑھنے کے زمانہ میں ایک دوست کو میں نے خط لکھا تو اس میں ایک عربی شعر بھی خود بنا کر لکھا تھا۔

أَنَا مَا رَأَيْتُكَ مِنْ زَمَنْ　　فَازْدَادَ فِي قَلْبِي الشَّجَنْ

حضرت حکیم الامت ؒ نے یہ خط دیکھ لیا تو ایک طمانچہ رسید کیا کہ ابھی سے شاعری؟ ——— مگر استاد سے فرمایا کہ میں نے ظفر کو سزا تو دی کہ یہ وقت شعر و شاعری کا نہیں مگر آپ کے طرزِ تعلیم سے خوشی ہوئی کہ نحو میر پڑھنے کے زمانے میں اس کو صحیح عربی لکھنا آگیا۔

———

اسی زمانے میں میرے بڑے بھائی صاحب اور چند طلبہ حضرت حکیم الامت ؒ سے تجوید و قرأت کی مشق کیا کرتے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ مشق کیا کرتا۔ ایک دن قریب مغرب کے میں وہ رکوع، جو اس دن مشق کیا تھا، اپنے حجرے میں بلند آواز سے پڑھ رہا تھا کہ حضرت حکیم الامت ؒ خانقاہ میں تشریف لے آتے۔ میری آواز اور طرز قرأت سن کر مؤذن سے پوچھا کہ آج یہ عرب کہاں سے آگئے؟ مؤذن نے ہنس کر کہا، عرب تو کوئی نہیں آیا، مولوی

ظفر مشق کر رہے ہیں۔ فرمایا ماشاء اللہ خوب مشق کر لی ہے۔ مجھے بالکل یہ
معلوم ہوا کہ کوئی عرب پڑھ رہا ہے۔

اسی زمانے میں بڑے بھائی صاحب اور مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی
عصر کے بعد حضرت مولانا سے مثنوی شریف پڑھتے تھے۔ میں بھی ان کے
ساتھ پڑھتا تھا۔ جب میں نے ہدایۃ النحو شروع کی تو اس کے ساتھ ہی
ترجمۂ قرآن بھی شروع کر دیا اور مولانا عبد الاول صاحب جونپوری مرحوم کا
رسالہ "الطریف للادیب الظریف" بھی (یہ رسالہ عربی ادب کے لئے
بہت خوب تھا۔ اصح المطابع لکھنؤ میں طبع ہوا تھا۔ معلوم نہیں اب ملتا ہے
یا نہیں) جس سے عربی کی اردو اور اردو کی عربی بنانے کی مشق میں مدد لی
جاتی تھی۔

ترجمۂ قرآن مولانا شاہ لطف رسول صاحب سے پڑھا تھا جو حضرت
حکیم الامتؒ کے خاص شاگرد تھے اور لکھنؤ کانپور کے قریب ایک قصبہ
فتح پور کے رہنے والے تھے۔

ہدایۃ النحو کے بعد قدوری شروع کی اور اس کے ساتھ التلخیصات
العشر بھی جو حضرت حکیم الامتؒ نے دس علوم کے متون سے اخذ کر
کے تالیف فرمایا تھا (اب نایاب ہے)

اسی زمانے میں مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی، حضرت مولانا رشید
احمد صاحب قدس سرہٗ کے پاس کچھ مدت قیام کرنے کے لئے گنگوہ
تشریف لے گئے تو بعض اسباق التلخیصات کے خود حضرت حکیم الامتؒ

نے مجھے پڑھائے۔

میں اس وقت ایک دُمل کی وجہ سے صاحب فراش تھا، حضرت خود میرے پاس تشریف لاتے اور سبق پڑھا جاتے۔ بقیہ اسباق بڑے بھائی صاحب نے پڑھائے۔ جب مجھے صحت ہوگئی تو حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ اب میں نے تفسیر قرآن لکھنی شروع کی ہے جس کے لئے بہت وقت کی ضرورت ہے۔ اب میں تم دونوں بھائیوں کو خود نہیں پڑھا سکتا تم دونوں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں چلے جاؤ۔ وہاں میرے خاص احباب ہیں۔ (مراد خاص شاگرد تھے۔ مگر حضرت شاگردوں کو احباب ہی فرمایا کرتے تھے)

چونکہ مدرسہ جامع العلوم کانپور حضرت ہی کا قائم کردہ تھا۔ اس لئے تھانہ بھون کے زمانۂ قیام میں بھی سال میں ایک دفعہ وہاں جایا کرتے تھے کہ ترک ملازمت کے بعد سرپرستی باقی تھی۔ چنانچہ اس سال بھی جو کہ ۱۳۲۳ھ کا سال تھا۔ جب کانپور تشریف لے گئے، ہم دونوں بھائیوں کو اپنے ساتھ لے گئے اور مولانا محمد اسحٰقؒ صاحب بردوانی مدرس اول جامع العلوم سے فرمایا کہ ان دونوں کو مدرسے میں داخل کر دیا جائے۔ بڑے بھائی صاحب نے تو فنون کی کتابیں لینا چاہیں، تفسیر بیضاوی، منطق و فلسفہ وغیرہ اور میں نے مشکوٰۃ و جلالین و ہدایہ کی درخواست دی۔

مولانا محمد اسحٰقؒ صاحب نے امتحان داخلہ کے وقت مجھ سے پوچھا کہ آپ نے کیا پڑھا ہے۔ میں نے کتابوں کے نام گنا دیئے:۔ میزانُ منشعب پنج گنج، نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، ترجمۂ قرآن، النظائف، قدوری

ہیں۔" فرمایا" نہ کافیہ پڑھا، نہ شرح جامی، نہ مختصر معانی، نہ شرح وقایہ نہ نور الانوار، پھر آپ ہدایہ و مشکوٰۃ کیسے پڑھیں گے؟ التلخیصات العشر، فرمایا" بس؟" میں نے عرض کیا" بس یہی کتابیں پڑھی

میں نے عرض کیا کہ اگر میں تھانہ بھون میں پڑھتا تو یہی کتابیں شروع کرتا کہ وہاں نصاب ضمان التکمیل میں ہدایۃ النحو، قدوری اور ترجمۂ قرآن کے بعد یہی کتابیں ہیں۔ فرمایا" اچھا، اس وقت جو کتاب میرے پاس طلبہ پڑھ رہے ہیں اس کی عبارت پڑھو" اس وقت ہدایہ اخیرین کا امتحان شروع ہو رہا تھا۔ میں نے قرأت کرنے والے سے سبق کا مقام پوچھا۔ اس نے بتلا دیا اور میں نے عبارت پڑھنا شروع کی۔ فرمایا اس کا ترجمہ بھی کیجئے میں نے ترجمہ بھی کر دیا۔ فرمایا مطلب بیان کیجئے۔ میں نے کہا یہ عبارت وسط کی ہے اس کا تعلق اوپر کی عبارت سے ہے۔ اس کو دیکھ لوں تو مطلب بھی بیان کر دوں گا۔ فرمایا تم ہدایہ، جلالین، مشکوٰۃ پڑھ لو گے جو طلبہ ہدایہ پڑھ رہے ہیں ان میں سے بعض کی نہ عبارت صحیح ہے نہ ترجمہ اور عبارت کا اوپر سے تعلق سمجھنا تو بہت دور ہے۔

چنانچہ ان کتابوں میں داخلہ مل گیا۔ جلالین شریف مولانا محمد اسحاق صاحب کے پاس تھی اور ہدایہ اخیرین و مشکوٰۃ مولانا محمد رشید صاحب کانپوری کے پاس تھی جو فقہ میں بڑی دست گاہ رکھتے تھے۔

شام کو مولانا محمد اسحٰق صاحب نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ یہ آپ کی کرامت ہے کہ مولوی ظفر نے نہ شرح جامی پڑھی

نہ نور الانوار، نہ مختصر المعانی اور وہ ہدایہ، مشکوٰۃ، جلالین پڑھنے کی قابلیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ مجھے تو حیرت ہو گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ کرامت نہیں بلکہ طریقۂ تعلیم کی خوبی ہے۔ ہمارے مدرس خانقاہِ امدادیہ کا طریقہ تعلیم بہت اچھا ہے کہ ان کے پاس ہدایۃ النحو پڑھنے والا ہر کتاب کی عبارت صحیح پڑھنے اور ترجمہ کرنے پر قادر ہو جاتا ہے اور عربی سے اردو اور اردو سے عربی بھی بنانے لگتا ہے۔

حضرت حکیم الامت کے ساتھ ان کی اہلیہ کبریٰ بھی تھیں۔ ان کا قیام بھی کانپور میں پندرہ سولہ سال رہ چکا تھا۔ اس لئے ان کو بھی وہاں کی مستورات بلایا کرتی تھیں۔ سوا مہینے کے قریب حضرتؒ کانپور میں قیام کر کے وطن واپس ہو گئے اور ہم دونوں بھائی جامع العلوم کانپور میں پڑھنے لگے۔ مجھے عربیت کا شوق تھا۔ اس لئے ایک سبق سبعہ معلقہ کا بھی لے لیا جو مولانا محمد رشید صاحب کے پاس ہوتا تھا۔

جامع العلوم کانپور میں حضرت حکیم الامتؒ نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا تھا کہ ہدایہ پڑھنے والے جمعرات کے دن بجائے سبق کے، فتویٰ نویسی کی مشق کریں۔ استاد کوئی سوال فقہی دے دیں جس کا جواب کاپی میں لکھ کر طلبہ جمعرات کو پیش کریں۔ علم ادب پڑھنے والے جمعرات کے دن بجائے سبق کے عربی سے اردو اور اردو سے عربی بنانے کی مشق کریں۔ مشکوٰۃ، جلالین پڑھنے والے بعد مغرب کے عشاء تک شب جمعہ میں وعظ و تقریر کی مشق کریں۔ موضوع تقریر چند روز پہلے استاد مقرر کر

سے اپنے متعلقین اور مریدین کو ساتھ لے کر حضرت مولانا رشید احمد صاحب
گنگوہیؒ کی زیارت کے لئے پہنچ رہے تھے جب کہ مولانا (تھانویؒ) کو کشف
ہو گیا تھا کہ یہ حضرت گنگوہیؒ کی عمر کا آخری سال ہے۔
چنانچہ مجھے بھی حضرت (حکیم الامتؒ) نے بڑے بھائی صاحب کے ساتھ
گنگوہ بھیجا اور مجھے حضرت (گنگوہیؒ) کی زیارت اور دعا کی دولت نصیب
ہوئی۔

اسی سال ہم دونوں بھائی حضرت حکیم الامتؒ کے ساتھ کانپور جا
رہے تھے کہ راستے ہی میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کے انتقال کی خبر آگئی اس
خبر کو سن کر حضرت حکیم الامتؒ دیر تک سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے
پیشانی پر پسینہ آگیا۔ دیر کے بعد سر اٹھا کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن
کہکر حضرت (گنگوہیؒ) کے مناقب و کمالات بیان کرتے رہے۔

اوپر لکھ چکا ہوں کہ مجھے عربی ادب سے بہت رغبت تھی۔ اسی لئے
میں نے سبعہ معلقہ کا سبق زیادہ لیا۔ جو میری جماعت کا سبق نہ تھا بلکہ اوپر
کی جماعت کا تھا۔

اسی زمانے میں لکھنؤ سے ایک ماہوار رسالہ البیان عربی میں نکلتا
تھا۔ اس میں مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ کے مضامین بھی عربی میں
کبھی کبھی نکلتے تھے۔ مولانا اس وقت ندوہ میں تعلیم پا رہے تھے۔ میں نے
مولانا سے مکاتیب کا سلسلہ جاری کیا اور غائبانہ تعارف ہو گیا مگر ملاقات
کی نوبت اس وقت آئی جب مولانا بھی بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو گئے

اور یہاں بھی۔ اس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

مجھے انگریزی سے تو نفرت تھی ہی۔ انگریزوں سے اور ان کے مذہب سے بھی بہت نفرت تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ جمعرات کے جلسہ عربی میں بندہ نے عربی نظم پڑھ کر سنائی تھی۔ اس کا ایک شعر اب بھی یاد ہے:

سَاَترُکُ کُلَّ مَنْ عَبَدَ المَسِیحَا

بِحَوْلِ اللّٰہِ مَقْتُولًا لِمَرْیَحَا

زمانہ طالب علمی میں میرے والد صاحب کے انتقال کی خبر آئی تو میں نے یہ دو شعر لکھ کر استاد سے رخصت طلب کی:

اِلٰی اَیْنَ اَبْکِیْ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ

فَلَیْسَ امْرُؤٌ مِنَّا هُنَاکَ بِخَالِدٍ

وَاَوَّلُ مَنْ قَدْ ذَابَ قَلْبِیْ لِفَقْدِہٖ

وَطَارَ بِلُبِّی مَوْتُہٗ مَوْتُ وَالِدِی

حضرت استاد نے ان شعروں کی بہت تعریف کی اور بلا کر میری تسلی کی۔

مجھے زمانہ طالب علمی میں مناظرہ کا بھی شوق تھا۔ ایک پادری اور اس کی بیوی تازہ وارد کانپور ہوئے اور اس نے ایک عام جلسے کا اعلان کیا کہ اس جلسہ میں دین مسیحی کی فضیلت جملہ ادیان پر ثابت کی جائے گی، اور مسلمانوں کو عیسائی بنایا جائے گا۔ میں چند طلبہ کے ساتھ جلسے میں

پہنچ گیا اور اس سے چند سوالات کئے جن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ :-
اصلی انجیل تو آپ کے پاس ہے نہیں، صرف تراجم ہیں، اور مترجموں کا حال معلوم نہیں، نہ ان کی سوانح حیات موجود، نہ سلسلۂ اسناد موجود، تو کیسے یقین کیا جائے کہ یہ تراجم صحیح ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم وہی تھی جو اناجیل میں درج ہے۔ پھر یہ گورکھ دھندا بھی عجیب ہے کہ خدا تین بھی ہیں اور ایک بھی ہے۔

اس پر پادری نے کہا اس کا جواب کل دیا جائے گا۔ جس جاہل مسلمان کو عیسائی بنانا طے ہوا تھا اس نے پادری کا جواب سن کر کہا پھر میں بھی آج عیسائی نہیں ہوں گا۔ جب ان سوالوں کا جواب دے لو گے اور میرا دل تمہارے جوابوں کو مان لے گا تب عیسائی ہوں گا۔ اس پر طلبہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پادری بہت خفیف ہوا۔

اسی زمانے میں ایک سال رمضان کی تعطیل میں بعض احباب کے ساتھ بجائے تھانہ بھون جانے کے میں بنارس کی سیر کو چلا گیا۔ وہاں اہل حدیث کے مدرسے میں قیام کیا کیونکہ میرے احباب کو اس کے سوا کسی دوسرے مدرسے کا علم نہ تھا۔ وہاں کے علماء نے یہ معلوم کر کے کہ میرا تعلق حضرت حکیم الامت رح سے ہے۔ میری بڑی خاطر کی، ایک وقت دعوت بھی کی۔ پھر ہم نے اپنے پاس سے کھانے پینے کا انتظام کیا بنارس کی سیر کی مسجد عالمگیری اور دیگر مقامات کو دیکھا۔

اس وقت ضلع اعظم گڑھ سے میرے ایک دوست کا خط

آیا کہ آپ بنارس میں آتے ہیں تو متو بھی ضرور آئیں۔ میں نے دعوت قبول کر لی اور بنارس سے متو چلا گیا۔ جن صاحب کا خط آیا تھا وہ درپردہ غیر مقلد تھے مگر کانپور میں انہوں نے اپنے کو حنفی ہی ظاہر کیا تھا۔ جب میں ان کے ہاں ٹھہر گیا تو حضرت حکیم الامتؒ کے تلامذہ اور مریدین جن کی وہاں خاصی تعداد تھی، میرے پاس آئے کہ تم نے کہاں قیام کیا، یہ تو غیر مقلد ہیں۔ میں نے کہا اب تو میں ان کی دعوت پر آیا ہوں۔ اس لئے دفعتہً یہاں سے الگ ہونا اخلاق کے خلاف ہے۔ آپ دعوت دیں گے تو میں آپ کے یہاں بھی آجاؤں گا۔ مگر قیام یہیں ہوگا اور نماز حنفیہ کی مسجد میں پڑھا کروں گا۔

ایک دن اتفاق سے بعد نماز مغرب افطار کر کے لیٹ گیا، نیند آگئی اور سو گیا، جاگا تو حنفیہ کی مسجد میں تراویح ہو چکی تھی۔ غیر مقلدوں کی مسجد میں نمازِ عشاء دیر سے ہوتی تھی۔ میں نے اپنے میزبان سے کہا کہ آج ہم آپ ہی کے ساتھ تراویح پڑھیں گے۔

یہ لوگ تراویح آٹھ رکعت پڑھتے ہیں۔ میں نے گھر پر آکر بقیہ تراویح پوری کی اور نمازِ وتر کا بھی اعادہ کیا۔ کیونکہ یہ حضرات وتر میں درمیان کا قعدہ نہیں کرتے۔ ان کے مولوی نے مجھے وتر میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ لیا تو پوچھا آپ نے وتر کا اعادہ کیوں کیا؟ کیا ہمارے پیچھے آپ کا وتر صحیح نہیں ہوا؟ میں نے کہا، آپ نے درمیان میں قعدہ نہیں کیا اور ہمارے یہاں درمیان کا قعدہ واجب ہے اس لئے اعادہ کیا۔ کہنے

لگے، اس کے وجوب کی کیا دلیل ہے؟ میں نے کہا اب تو سونے کا وقت ہے دلیل کل بتلاؤں گا۔

صبح کی نماز کے بعد قرآن پڑھ کر سو گیا۔ نو بجے کے قریب جاگا تو دیکھا، کمرے میں ایک بڑی میز پر کتابیں ہی کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ میں نے کہا یہ کیا؟ میزبان نے کہا آپ نے فرمایا تھا کہ صبح کو وتر میں قعدہ کے وجوب کی دلیل دوں گا، اس لئے یہ کتابیں جمع کر دی گئیں کہ جس کتاب کی ضرورت ہو، موجود ملے۔ میں نے کہا مجھے مسلم شریف دے دو۔ اس میں باب کیفیۃ الصلوٰۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے فی کل رکعتین التحیۃ (ہر دو رکعت پر التحیات ہے)

میں نے حدیث دکھلائی اور کہا جب ہر دو رکعت کے بعد التحیات ضروری ہے اور التحیات قیام میں نہیں ہو سکتی، قعود ہی میں ہوتی ہے اس لئے حنفیہ کا طریقہ وتر ہی صحیح ہے۔ تین رکعتیں تسلسل نہیں پڑھنا چاہئیں کہنے لگے، نسائی کی روایت میں یہ ہے، فلاں روایت میں یہ ہے کہ لَمْ يَجْلِسْ اِلَّا فِي اٰخِرِهِنَّ (یعنی آپ نے وتر کی تین رکعات پڑھیں اور قعدہ آخر میں کیا، بیچ میں نہیں کیا)

میں نے کہا، یہ سب احادیث فعلیہ ہیں اور جو حدیث میں نے پیش کی ہے وہ قولی ہے اور قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے۔ اس لئے حدیث قولی مقدم ہے ... [illegible] ... رہا۔

پھر میں تو ہفتہ عشرہ کے بعد چلا آیا۔ میرے بعد اس مسئلہ میں حنفیہ اور فرقہ غیر مقلدین میں بحث چلتی رہی۔ دونوں طرف سے رسالے نکلے چونکہ میں نے سفر بنارس وغیرہ کے لئے حضرت حکیم الامتؒ سے اجازت نہیں لی تھی۔ اس لئے خائف تھا کہ حضرت ناراض ہوں گے تو میں کیا جواب دوں گا۔ مگر جب تھانہ بھون آیا، حضرت کو ناراض نہ پایا۔ فرمانے لگے مجھے اس حرکت پر غصہ تو آیا تھا کہ تم نے بلا اجازت بنارس اور مئو کا سفر کیا مگر وہاں کے احباب کے خطوط سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ تم نے وہاں جمعہ کے دن تقریر اچھی کی جس سے احباب خوش ہوئے۔

۲۶۔ ۱۳۲۵ھ میں بندہ نے دورۂ حدیث (صحاح ستہ مع موطا امام مالکؒ) حضرت استاذی مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانیؒ سے درسًا درسًا پڑھا۔ بڑے بھائی صاحب اسی سال مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور چلے گئے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ اور دیگر اساتذہ مظاہر علوم سے دورۂ حدیث پڑھا اور ۱۳۲۶ھ میں واپس آگئے اور فنون کی تکمیل کی یعنی منطق و فلسفہ وغیرہ کی۔

شعبان ۱۳۲۶ھ میں ہم لوگوں کا امتحان فراغت دینیات ہوا تو بھائی صاحب بھی اس میں شریک ہو گئے۔ حالانکہ وہ ہم سے ایک سال پہلے کتب حدیث سے فارغ ہو گئے تھے اور ہم نے ۱۳۲۶ھ ہی میں دورہ ختم کیا تھا۔ ہماری یادداشت تازہ تھی اور ہم لوگوں نے

امتحان سے ایک مہینہ پہلے کتب بینی کے لئے رخصت ملے لی تھی۔ اس مہینے میں ہم نے بہت کچھ مطالعہ کیا اور بھائی صاحب سیر و تفریح میں رہے مگر پھر بھی وہ سب سے اوّل آئے۔ میں ان کے بعد رہا۔

اس امتحان میں ممتحن حضرات باہر کے تھے۔ حدیث کا امتحان حضرت مولانا محمد حسن صاحب (مدرس اول دار العلوم دیوبند) کے پاس تھا۔ فقہ کا مولانا سعد اللہ صاحب رامپوری کے پاس اور نحو و صرف و بلاغت و ادب کا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے پاس اور تفسیر کا حضرت حکیم الامت تھانوی رح کے پاس تھا۔

حکیم الامت رح نے بھائی صاحب کو سو میں سے ۹۰ نوّے نمبر دیئے اور بہت تعریف کی۔ ماشاء اللہ وہ بہت ذہین تھے۔ اگر زندہ رہتے تو حضرت حکیم الامت کا نمونہ ہوتے۔ خوش بیان و خوش تقریر بھی بہت تھے۔

جس زمانے میں ترکوں کی امداد کے لئے ہندوستانی مسلمانوں نے انجمن ہلال احمر قائم کی تھی، سہارنپور کی ہلال احمر نے حضرت حکیم الامت رح کو وعظ کی دعوت دی، حضرت تشریف لے گئے۔ بھائی صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے۔ حضرت حکیم الامت رح کی تقریر کے بعد لوگوں نے درخواست کی کہ مولوی سعید احمد صاحب بھی تقریر کریں۔ حضرت نے اجازت دے دی۔ بھائی صاحب نے ایک گھنٹہ تقریر کی۔ مولوی عبید اللہ جان صاحب مرحوم وکیل سہارنپور جو سر سید احمد خاں اور علامہ شبلی نعمانی کے ساتھ عرصے تک علیگڑھ رہ چکے تھے، بڑے متاثر ہوئے

اور کہنے لگے یہ شخص زندہ رہا تو بڑا اعلیٰ درجے کا مقرر ہوگا۔

مدرسہ جامع العلوم کانپور میں امتحانِ فراغتِ دینیات پہلے ہوتا تھا اور امتحان فراغت درسیات پیچھے، فراغت دینیات کے امتحان میں پاس ہونے والوں کو سند اور دستار دونوں دی جاتی تھیں اور فراغت درسیات کے امتحان میں پاس ہونے والوں کو صرف سند دی جاتی تھی۔ؑ

ہم دونوں بھائی امتحان دینیات سے فارغ ہوکر تعطیلِ رمضان میں تھانہ بھون آئے اور ایک ہفتہ قیام کرکے اعزۂ دیوبند سے ملنے کا ارادہ کیا تو درمیان میں سہارنپور ایک دن کے لئے ٹھہرے۔ بھائی صاحب سے میں نے کہا کہ موقع ملا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے ادب و بلاغت کے پرچے کے نمبر معلوم کریں گے۔ بھائی صاحب نے کہا "بس حضرت کی زیارت کے قصد سے چلو، نمبروں کا وہ پتہ نہیں دیں گے" مگر جب ہم حاضر ہوئے تو حضرت مولانا بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے اور خود ہی فرمایا:۔

"مولوی ظفر! ہم تمہارے جواب سے بہت خوش ہوئے۔ تم نے ادب و بلاغت کے پرچے کا بہت اچھا جواب دیا اور عربی کی اردو اور اردو کی عربی بھی خوب بنائی، اس لئے ہم نے تم کو سب سے زیادہ نمبر دئے ہیں یعنی سو میں سے ۸۰ اسی، باقی سب تم سے کم ہیں"

ؑ بھائی صاحب نے امتحان دینیات کے ساتھ امتحان درسیات بھی دیا تھا۔

مولانا کی اس عنایت و شفقت نے دل پر ایسا اثر کیا کہ میں انہیں کا ہو رہا اور بالآخر ڈیڑھ سال بعد بیعت ہو گیا۔ تعطیل رمضان کے بعد ہم دونوں بھائی کانپور واپس آئے تو مہتمم مدرسہ جامع العلوم اور مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی میں کسی بات پر اختلاف ہو گیا۔

اسی زمانے میں حضرت حکیم الامتؒ نواب ڈھاکہ کی دعوت پر ڈھاکہ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں کانپور بھی اس نزاع کو ختم کرانے کے لئے اترے۔ چند روز قیام فرمایا۔ مگر نزاع ختم نہ ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ بظاہر مولانا محمد اسحٰق صاحب جامع العلوم سے استعفاء دے دیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو تم تھانہ بھون چلے جانا کیونکہ تمہاری درسیات کی کتابیں باقی ہیں۔ ان کو دیوبند یا سہارنپور کے مدرسے میں پورا کر لینا چاہیئے۔

بڑے بھائی صاحب کا تقرر جامع العلوم ہی میں معین درس کے عہدہ پر ہو گیا تھا، وہ تھانہ بھون واپس نہ ہوئے۔

جب مولانا محمد اسحاق صاحب پچیس ۲۵ سال جامع العلوم میں درس حدیث دے کر ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ میں مستعفی ہو کر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تشریف لے گئے تو بندہ تھانہ بھون واپس آگیا۔

مولانا محمد رشید صاحب کانپوری بھی جامع العلوم سے مستعفی ہو گئے اور چند دنوں کے بعد وہ بھی مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں تشریف لے گئے۔ ان حضرات کے چلے جانے سے مدرسہ جامع العلوم کانپور جو مشرقی اضلاع میں دار العلوم دیوبند کا نمونہ تھا۔ اب اس نشان کا نہ رہا۔

حضرت حکیم الامتؒ سفر ڈھاکہ سے واپس ہوئے تو میں تھانہ بھون ہی میں تھا۔ محرم ۱۳۲۷ھ میں حضرت حکیم الامتؒ نے مجھے تکمیل درسیات معقول و فلسفہ وغیرہ کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیجنا چاہا مگر میں مظاہر علوم سہارنپور جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ دیوبند میں جدی گھر تھا، جدی قرابت دار سب وہاں تھے۔ گھر میں رہ کر پڑھنا دشوار ہوتا مگر مظاہر علوم سے معقول و فلسفہ پڑھانے والے مدرس مولانا محمد یحییٰ صاحب سہرامی مستعفی ہو کر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تشریف لے گئے۔ اس لئے حضرتؒ کو وہاں بھیجنے میں تردد تھا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا خط حضرت حکیم الامتؒ کے نام آیا کہ مولوی ظفر احمد کو آپ مظاہر علوم ہی میں بھیجیں، معقول و فلسفہ کے لئے ہم نے مولانا عبدالقادر صاحب پنجابی کو بلایا ہے۔ وہ عنقریب تشریف لانے والے ہیں۔

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ جب مولانا خلیل احمد صاحب کی تم پر اس قدر عنایات ہیں کہ خود بلانا چاہتے ہیں تو اب اللہ کا نام لیکر تم مظاہر علوم ہی میں چلے جاؤ۔

چنانچہ وسط محرم ۱۳۲۷ھ میں بندہ مدرسہ مظاہر علوم میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ چند روز کے بعد مولانا عبدالقادر صاحب بھی تشریف لے آئے اور میں نے ان سے اور مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم سے منطق، فلسفہ، ریاضی و ہیئت کی کتابیں پڑھنا شروع کیں اور گاہے گاہے حضرت مولانا خلیل

احمد صاحب کے درسِ بخاری میں بھی شریک ہوتا۔

اسی زمانے میں میرے ابتدائی استاد مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی بھی تھانہ بھون سے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس ہو کر تشریف لے آئے اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی بھی گنگوہ سے مظاہر علوم میں رونق افروز ہو گئے۔

دو سال کے عرصے میں کتب درسیات سے فارغ ہو گیا۔ مجھے یاد ہے کہ جماعت شرح چغمینی کا امتحانِ سالانہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب (قدس سرہٗ) نے لیا تھا اور مجھے نمبر اول میں پاس کیا تھا شعبان ۱۳۲۸ھ میں دار العلوم دیوبند میں عظیم الشان جلسۂ دستار بندی منعقد ہوا تھا جس میں اکابر علما، دیوبند تشریف لائے تھے حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی شاگردِ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانیٔ دار العلوم دیوبند بھی تشریف لائے تھے۔ بڑے خوبصورت اور خوش لباس تھے۔

اسی سال مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم اور مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی اور مولانا ثابت علی صاحب مدرسان مظاہر علوم نے حج کا ارادہ کیا تو میرے دل میں بھی تقاضا پیدا ہوا۔ اتفاق سے اس وقت میرے پاس ایک سو پچیس (۱۲۵) روپئے زمین کی قیمت سے آ گئے تو مولانا خلیل احمد صاحب نے فرمایا "تمہارے ذمہ حج فرض ہو گیا" (صرف حج کے لئے اس وقت اتنی رقم کافی تھی، سفرِ مدینہ واجب نہیں۔ اگر

وسعت نہ ہو، ترک کر سکتا ہے مگر سفرِ مدینہ کے لئے حج کو ترک کرنا جائز نہیں،
میں نے حضرت حکیم الامتؒ کو اطلاع دی تو فرمایا کہ میرے نزدیک تو
حج فرض نہیں ہوا مگر جب مولانا خلیل احمد صاحبؒ فرماتے ہیں تو ارادہ
کرلو۔ چنانچہ میں نے بھی ارادہ کرلیا۔ وقت پر پچاس، ساٹھ روپے اور
آگئے۔ اس رقم میں حج اور زیارتِ مدینہ دونوں ادا ہو گئے۔ فَلِلّٰہِ
الْحَمْدُ وَلَہُ الشُّکْرُ؛

ہم لوگ حج سے سوا مہینہ پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اس وقت پہلی
بار کعبۃ اللہ پر نظر پڑتے ہی دل کی جو کیفیت ہوئی، بیان میں نہیں آسکتی
سفرِ حج شروع کرنے سے پہلے میں نے حضرت مولانا خلیل احمد
صاحب سے حدیث مسلسل باجابت دعاء فی الملتزم کی اجازت طلب
کی تو حضرت نے ہم سب کو جو اس سال حج کو جا رہے تھے اس حدیثِ مسلسل
کی اجازت سے مشرف فرمایا۔

اس حج میں حضرت مولانا رشید صاحب گنگوہی قدس سرہ کے
صاحبزادے اور نواسے حافظ یعقوب صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے اور
آخرِ ذی قعدہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب بھی مکہ معظمہ پہنچ گئے
تھے۔ ۴، ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھی حج کے
لئے تشریف لے آئے۔

مولانا نمازِ فجر کے بعد طوافِ بیت اللہ میں مشغول تھے اور میں اس
وقت مولانا محب الدین صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بزرگ حضرت

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ رحمۃ اللہ کے خلفاء میں صاحب کشف مشہور تھے۔ وہ اس وقت درود شریف پڑھ رہے تھے کہ دفعتہً میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:۔

"اُس وقت حرم شریف میں کون آگیا کہ سارا حرم اس کے انوار سے بھر گیا"

مولانا خلیل احمد صاحب طواف سے فارغ ہو کر صفا مروہ کی سعی کے لئے باب الصفا کی طرف چلے تو مولانا محب الدین صاحب کے پاس بھی آئے (ان کا حجرہ باب الصفا کے قریب ہی تھا) مولانا کو دیکھ کر مولانا محب الدین صاحب کھڑے ہو گئے اور فرمایا:۔

"میں بھی تو کہوں آج حرم میں کون آگیا"

پھر معانقہ، مصافحہ اور مزاج پرسی کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب تو صفا مروہ کی سعی کو تشریف لے گئے اور مولانا محب الدین صاحب اپنی جگہ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے:۔

"میں نے مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی کو نہیں دیکھا مگر مجھ سے کہا گیا ہے کہ وہ قطب الارشاد تھے۔ ان کے خلفاء کو دیکھ کر مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ واقعی قطب الارشاد تھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب تو سراپا نور ہیں اور مولانا عبدالرحیم صاحب بڑے قوی النسبت ہیں کہ مرید کے دل کو جھاڑ جھنکاڑ سے ایک دم صاف کر دیتے ہیں"

میں نے عرض کیا "حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے"؟ فرمایا:-

"مولانا اس وقت مقامِ علم میں ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ وہ آجکل تفسیر لکھ رہے ہیں۔ مجھے اس تفسیر کے دیکھنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ اس میں بڑے علوم ہوں گے۔"

میں نے عرض کیا کہ یہ تفسیر مکمل ہو گئی ہے اور کچھ حصّے طبع بھی ہو گئے ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ساتھ حج نصیب ہونے سے ہم سب کو بڑی خوشی ہوئی کیونکہ حضرت کی وجہ سے کمال اتباعِ سنت کے ساتھ حج ہوا۔ بعض سنتوں کا تو بہت سے اہل علم کو بھی پتہ نہ تھا۔ مولانا کی برکت سے ہمیں علم حاصل ہوا

اس سفر میں حضرت مولانا کی کرامات جتنی بھی ظاہر ہوئیں جو غالباً تذکرۃ الخلیل میں طبع ہو گئیں ہیں۔

حضرت اقدس کے ساتھ اس سال مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی بھی حج کو آئے تھے اور وہ علماءِ حرمین سے حضرت مولانا کے رسالے "المہنّد علی المفنّد" پر دستخط لے رہے تھے جس میں مولانا نے علماءِ دیوبند کے عقائد بیان کر کے اہل بدعت کے اعتراضات کا جواب دیا اور ان کے افتراءات کا کذب ثابت کیا تھا۔

مدینہ منورہ میں بھی علماء سے دستخط لئے گئے تو معلوم ہوا کہ علامہ سید برزنجی شافعی بہت بڑے عالم ہیں اور اس وقت نابینا ہونے کے باوجود

بطور املاء کے کتابیں تصنیف کرتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ بندہ بھی حضرت کے ساتھ گیا اور ان بزرگ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ واقعی بڑے بابرکت، صاحبِ انوار بزرگ تھے۔ میرے پاس رقم اس حج میں دو سو سے زیادہ نہ تھی اور میرے رفقاء میں سے کسی کے پاس بھی پانچ سو سے کم رقم نہ تھی۔ بعض کے پاس سات سو، آٹھ سو بھی تھے اور وہ خوب فراغت سے ناشتہ اور کھانا کھاتے۔ میں بھی ان کے ساتھ شریک تھا ختمِ ماہ پر حساب ہوتا تو ہر شخص پر تقسیم کر دیا جاتا۔ میں اپنے حصے کی رقم سب کے برابر ادا کر دیتا۔ رفقاء کو خیال ہوا کہ شاید میرے پاس سفر مدینہ کے لئے رقم نہ بچی ہوگی کیونکہ مکہ مکرمہ میں سوا مہینہ حج سے پہلے اور سوا مہینہ حج کے بعد قیام میں دو سو سے زیادہ تو کھانے پینے اور تبرکات خریدنے ہی میں ہر ایک کے خرچ ہو گئے تھے

ایک صاحب کہنے لگے۔ حج تو ادا ہو گیا اور سفرِ مدینہ فرض نہیں، اہلِ وسعت پر واجب یا سنت ہے تو جس کے پاس رقم کم ہو وہ مکہ ہی سے واپس ہو جائے۔ انہوں نے دو تین بار یہ بات کہی تو میں سمجھ گیا کہ مجھے سنانا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا آپ میری فکر نہ کریں۔ بحمد اللہ میرے پاس رقم کافی ہے۔ کہنے لگے کتنی رقم ہے؟ میں نے کہا یہ تو مجھے بھی خبر نہیں کیونکہ جب میں سہارنپور سے چلا تھا تو مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نے مجھے ایک روپیہ دیا تھا کہ اس پر نشان کر کے رقم میں

ہلالو۔ اس کو خرچ نہ کرنا اور حساب بھی نہ کرنا ۔ بے حساب خرچ کرتے رہنا اس لئے میں نے اسی وقت سے گنا نہیں ۔ بس ضرورت کے موافق ہمیانی سے نکالتا رہتا ہوں ۔ اندازہ یہ ہے کہ ابھی ہمیانی میں بہت رقم ہے۔

چنانچہ میں اسی طرح خرچ کرتا رہا اور راحت کے ساتھ سفرِ مدینہ سے فارغ ہو کر بمبئی پہنچ گیا ۔ بمبئی میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے فرمایا کہ میں فرنٹیئر میل سے جانا چاہتا ہوں جس میں انٹر سے کم کا درجہ نہیں ۔ مولوی ظفر! تم بتلاؤ کہ انٹر کا کرایہ تمہارے پاس ہے یا نہیں؟ میں نے کہا "انشاء اللہ ہو جائیگا ۔ فرمایا "گن کر بتلاؤ کتنا روپیہ ہے" شیخ کے حکم سے رقم کو گنا پڑا تو اب بھی تیرہ روپے باقی تھے ، فرمایا ، سہارنپور تک کا کرایہ تو ہو جائے گا ۔ اس پر خان بہادر حاجی وجیہ الدین صاحب نے عرض کیا کہ ان کا ٹکٹ میں لے لوں گا ۔ یہ رقم ان کے پاس رہنے دی جائے تاکہ گھر پر خالی ہاتھ نہ جائیں ۔ مولانا نے منظور فرما لیا اور یہ رقم بچ گئی ۔

حاجی وجیہ الدین صاحب کی یہ عنایت مجھے ہمیشہ یاد رہی ۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں ۔ بڑے اچھے آدمی تھے ۔

فرنٹیئر میل سے سوار ہو کر اگلے دن سہارنپور پہنچ گئے ۔ وہاں سے میں نے تھانہ بھون کا ٹکٹ لیا ۔ حضرت حکیم الامتؒ کو اطلاع ہو گئی ۔ اسٹیشن پر تشریف لائے ۔ میں نے اتر کر مصافحہ کیا ۔ حضرت نے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا "ماشاء اللہ حج کر کے تو تمہارا قد بھی بڑھ گیا"

تھانہ بھون میں ایک مہینہ قیام کر کے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی خدمت میں پہنچا تو حضرت نے

فرمایا کہ ایک مدرس کی طلب چھتاری سے آئی ہے۔ ابتدائی تنخواہ

بیس روپے ہوگی۔ اگر جانا چاہو تو تمہارا نام بھیج دوں۔

میں نے عرض کیا کہ میری تمنا تو یہ ہے کہ حضرت والا کی خدمت

میں قیام کر کے درس دوں۔ کیونکہ میرا علم ابھی مستحکم نہیں۔ جس سے

پہلے ہی درسیات سے فارغ ہوا ہوں۔ جس کو چند ماہ کا عرصہ ہوا ہے

میں ابھی سے باہر جاؤں، اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت کو میرے جواب

سے خوشی ہوئی۔ فرمایا:۔

کہ تمہارے استاد مولوی عبداللہ صاحب گنگوہی مظاہر علوم

سے تھانہ بھون کے مدرسے میں جانا چاہتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ

تم ان کی جگہ یہاں کام کرو۔ مگر ان کی تنخواہ پندرہ روپے تھی،

وہی تم کو ملے گی۔

میں نے عرض کیا کہ مجھے تنخواہ مطلوب نہیں۔ حضرت کی خدمت

میں رہنا مطلوب ہے۔

چنانچہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کی مدرسی پر

فائز ہوگیا اور سات آٹھ سال تک مدرس رہا۔ ابتداء میں شرح وقایہ

نورالانوار وغیرہ میرے سپرد ہوئیں۔ پھر بتدریج ترقی ہوتی رہی کہ ہدایہ

مشکوٰۃ، میبذی، شرح عقائد مع حاشیہ خیالی وغیرہ بھی پڑھائیں۔

عربیت وادب سے مجھے خاص مناسبت تھی۔ اس لئے سبعہ معلقہ و متنبی وغیرہ بھی میرے سپرد کی گئیں۔

مولانا بدر عالم مرحوم نے جو حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر فیض الباری (شرح بخاری) کے مؤلف تھے، نور الانوار اسی زمانے میں بندہ سے پڑھی تھی۔ مولانا ادریس صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ (لاہور) نے ہدایہ و مشکوٰۃ مجھ سے پڑھی تھیں۔

موصوف "التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح" کے اور بہت سی عمدہ تالیفات کے مؤلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حیات میں برکت دیں۔ آمین۔

مرحوم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدرس اوّل مظاہر علوم سہارنپور و سابق شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ڈنڈو اللہ یار نے اسی زمانے میں مجھ سے عربی علم ادب کی کتابیں پڑھی تھیں اور عربی سے اردو اردو سے عربی بنانے کی مشق بھی کی تھی۔ ابھی قریب عرصے میں ان کا انتقال ہو گیا ہے، غَفَرَ اللّٰهُ لَنَا وَلَهٗ وَيَرْحَمُنَا وَاِيَّاهُ

مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم (سہارنپور) نے بھی کچھ ابتدائی کتابیں صرف و نحو کی مجھ سے پڑھی تھیں۔

مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم حال مظاہر علوم (سہارنپور) نے بھی کچھ عربی کتابیں مجھ سے پڑھی تھیں۔ اللہ تعالےٰ کا فضل وکرم ہے کہ میرے شاگرد مجھ سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ان حضرات

ہی کے طفیل مجھے بھی جنت میں جگہ مل جائے گی۔

اسی سال (۱۳۲۹ھ) میں ۳۰ ذی الحجہ کو میری شادی تھانہ بھون میں ہوئی۔ رفیقۂ حیات نے حضرت حکیم الامتؒ سے تعلیم حاصل کی تھی اور حضرت کی اہلیہ صغریٰ کی بڑی بہن تھیں۔ چالیس سال کی رفاقت کے بعد انتقال کر گئیں۔ غَفَرَ اللّٰہُ لَہَا وَلَنَا

۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے حج کا ارادہ فرمایا اور بظاہر ہندوستان سے ہجرت ہی کا خیال تھا۔ کیونکہ مولانا محب الدین صاحبؒ مہاجر مکیؒ کا خط آیا تھا کہ آپ کا وقت قریب ہے، مدینے میں مرنا چاہتے ہو تو جلدی آجاؤ۔ مگر جب مولانا خلیل احمد صاحبؒ مکہ معظمہ پہنچ گئے تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ ابھی آپ کا وقت نہیں آیا، آپ ہندوستان واپس چلے جائیں۔ یہاں انقلاب آنے والا ہے" (حکومت شریف حسین کی جگہ حکومت سعودیہ قائم ہونے پر اشارہ تھا) حضرت مولانا ۱۳۳۴ھ میں واپس تشریف لے آئے اور تالیف بذل المجهود (شرح ابی داؤد) میں مشغول ہو گئے۔

اسی زمانے میں مجھے سہارنپور کی آب و ہوا ناموافق ہونے کی وجہ سے ۱۳۳۶ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سے ایک سال کی رخصت لے کر تھانہ بھون کے قریب ایک بستی میں جس کا نام گڑھی پختہ تھا، وہاں کے مدرسہ ارشاد العلوم میں قیام کرنا پڑا۔ وہاں ابتدائی کتابوں سے لے کر بخاری و مسلم بھی پڑھانے کی نوبت آئی۔ پھر رخصت میں توسیع کی

گئی اور ۱۳۲۸ھ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ دوبارہ حج و زیارت مدینہ کی توفیق ہوئی۔ اس سفر میں حضرت حکیم الامتؒ اہلیہ صغریٰ بھی اپنی والدہ اور والد کی معیت میں ہمارے ساتھ تھیں۔

حج سے واپسی پر میرا مستقل قیام تھانہ بھون میں ہوگیا۔ یہاں علاوہ درس و تدریس کے تالیف کا ایک شعبہ بھی میرے سپرد تھا۔ پہلے تفسیر بیان القرآن کا خلاصہ کیا جو ایک حمائل کے حاشیہ پر مولوی شبیر علی صاحب تھانویؒ نے طبع کرایا ہے پھر تالیف اعلاء السنن کی خدمت بھی میرے سپرد ہوئی اور افتاء کی خدمت بھی۔

اس زمانے میں درس و تدریس کا مشغل بھی جاری تھا۔ صحاح ستہ اور بیضاوی شریف بھی بندہ نے یہاں پڑھائی ہیں اور حضرت حکیم الامت کے دست مبارک سے طلبہ فارغین کی دستار بندی بھی ہوئی میرے لکھے ہوئے فتاویٰ پر حضرت حکیم الامتؒ نظر ثانی فرما کر تصحیح فرماتے اور مہتم بالشان فتاویٰ کو دفتر میں نقل کرانے کی ہدایت فرماتے۔ حضرت نے میرے فتاویٰ کا نام امداد الاحکام تجویز فرمایا جو سات جلدوں کے اندر خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے دفتر میں محفوظ ہے۔ اس کا کچھ حصہ رسالہ الہادی (دہلی) میں شائع بھی ہوا۔

اسی زمانے میں کانگریس اور خلافت کمیٹی کی تحریکات ہندوستان میں جاری تھیں۔ حضرت حکیم الامتؒ کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا کوئی تحریک چلانا پسند نہ تھا۔ اس لئے ان تحریکات سے الگ رہے

(حضرتؒ کے مسلک کی تائید میں مجھے "تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین"
کے نام سے چند رسالے تالیف کرنے کی نوبت آئی)
اس بنا پر حضرت حکیم الامتؒ کے خلاف بڑی شورش ہوئی کہ یہ
کانگریس اور خلافت کمیٹی سے الگ ہو کر حکومت انگریز کا ساتھ دے
رہے ہیں - یہاں تک کہ تھانہ بھون کے مسلمانوں کو بھی مولانا کے خلاف
بھڑکایا گیا اور نوبت بہ اینجا رسید کہ بعض لوگ یہ بھی کہنے لگے کہ مولانا کو
خانقاہِ امدادیہ سے الگ کر دیا جائے - مگر اللہ تعالٰے نے اپنی نصرت
وحمایت کا ایسا اظہار فرمایا کہ مخالفین کو شرمندہ ہو کر مولانا کے سامنے
جھکنا پڑا -

اس زمانے میں مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماءِ ہند
(دہلی) حضرت حکیم الامتؒ سے مسائل حاضرہ میں گفتگو کے لئے تشریف
لائے اور خلوت میں گفتگو کرنا چاہی - حضرت نے فرمایا کہ ان مسائل میں
آپ کی جو رائے ہے، آپ اس کا اعلان کر چکے ہیں اور میں اب تک
ان تحریکات میں شریک نہیں ہوں - خلوت میں گفتگو کرنے سے لوگوں
کو شبہ ہو گا کہ میں بھی در پردہ آپ کے موافق ہو گیا ہوں اور اس
صورت میں خطرہ ہے جس کے لئے میں تیار نہیں ہوں - اس لئے جو
کچھ فرمانا ہو - علانیہ فرمایا جائے -
چونکہ مولانا کفایت اللہ صاحب علانیہ گفتگو پر آمادہ نہ تھے - اس
لئے حضرت نے فرمایا کہ پھر یہ بہتر ہے کہ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں،

خط میں لکھ کر ڈاک سے بھیج دیجئے، میں دیانت وامانت کے ساتھ اس
میں غور کر دوں گا۔ اگر دل نے قبول کر لیا، آپ کو اطلاع کر دوں گا۔
ورنہ خاموش رہوں گا جیسا اب تک ہوں۔ آپ میرے جواب کا انتظار
نہ فرمائیں۔ مولانا کفایت اللہ صاحب نے خوش ہو کر فرمایا کہ ہاں،
یہ صورت مناسب ہے۔

اس گفتگو سے فارغ ہو کر مولانا کفایت اللہ صاحبؒ نے مجھ سے
پوچھا کہ حضرت تھانوی جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے کراہت
کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ
بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اپنے ساتھ جہاد میں لیا ہے۔ میں
نے عرض کیا کہ کفار و مشرکین کو جہاد میں اس وقت لے سکتے ہیں کہ جھنڈا
مسلمانوں کا رہے اور کفار ہمارے حکم کے تحت میں ہوں۔ اس وقت
حالت برعکس ہے۔ کانگریس میں غلبہ ہندوؤں کا ہے اور ان ہی کا حکم
غالب ہے۔

۱۸۵۷ء میں بھی مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا
اور بظاہر مسلمانوں کا حکم غالب تھا مگر پھر بھی ہندوؤں نے مسلمانوں کو
دھوکہ دیا، مسلمانوں کو مجرم بنا دیا اور خود انگریز سے مل گئے۔

پھر جب مسلم لیگ نے کانگریس سے الگ ہو کر آزادیٔ ہند کا مطالبہ
کیا، حضرت حکیم الامتؒ نے مسلم لیگ کی تائید کی اور تنظیم المسلمین، تعلیم
المسلمین، تفہیم المسلمین کے نام سے چند مضامین شائع فرمائے اور پٹنہ

میں جو مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں حضرت کی طرف سے
ایک وفد بھی قائداعظم مسٹر محمد علی جناح سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا گیا
اور حضرت اقدس نے مسلم لیگ کے نام اپنا ایک پیغام بھی بھیجا تھا جو
اس ناچیز نے پٹنہ کے اجلاس میں پڑھ کر سنایا۔
مسلم لیگ نے کانگریس سے الگ ہو کر پہلا الیکشن جھانسی میں لڑا
تھا۔ جھانسی کے مسلمانوں نے تار پر دریافت کیا کہ کانگریس اور مسلم لیگ
میں سے کس کو ووٹ دیا جائے؟ حضرت اقدس نے مجھے اور مولوی شبیر
علی سلمۂ کو مشورہ کے لئے بلایا اور فرمایا کہ:
"مسلم لیگ اگرچہ خالص مسلمانوں کی جماعت ہے مگر ابھی
تک ان مسلم لیگیوں پر بھی پورا اعتماد نہیں کہ یہ واقعی ہندوستان
کو انگریز سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور آزاد کرا کر یہاں دینِ اسلام
کو قائم بھی کریں گے یا مصطفےٰ کمال پاشا کی طرح دین کو مسخ
کریں گے؟ میں اس تار کا کیا جواب دوں؟"
میں نے عرض کیا کہ کانگریس کی حمایت کے تو آپ خلاف ہیں ہی
بس یہ جواب دے دیجئے کہ کانگریس کو ووٹ نہ دو۔ فرمایا ہاں، یہ
ٹھیک ہے۔ چنانچہ یہی تار دے دیا گیا۔ جھانسی کا یہ الیکشن جیت کر مولانا
مظہر الدین صاحب شیرکوٹی (مدیر الامان) مرحوم اور شوکت علی صاحب
مرحوم تھانہ بھون تشریف لائے۔ تو کہنے لگے:۔
"مسلم لیگ کے پاس کانگریس کے برابر نہ روپیہ تھا نہ ساز و سامان

بس ہم نے آپ کے تار کو حکیم الامت مولانا تھانوی کا فتویٰ کہہ کر بڑی مقدار میں پوسٹروں کی شکل میں جابجا تقسیم بھی کیا اور چسپاں بھی کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان پولنگ پر آتے تو تھے کانگریس کی لاریوں پر اور آپ کا فتویٰ دیکھ کر ووٹ مسلم لیگ کو دیتے تھے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں کامیاب کر دیا۔"

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کی حمایت نے مسلم لیگ میں جان ڈال دی، ورنہ جمعیۃ علماء ہند کے مقابلہ میں جو کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی، مسلم لیگ کا کامیاب ہونا دشوار تھا۔ جمعیۃ علماء ہند میں علماء کثرت سے تھے۔ مولانا حسین احمد صاحبؒ مدنی اور مولانا ابوالکلام آزادؒ جیسے مشاہیر بھی کانگریس کے ساتھ تھے۔

مسٹر محمد علی جناح (قائد اعظم) سے کسی نے پوچھا تھا کہ کانگریس کی حمایت میں تو بہت سے علماء ہیں۔ مسلم لیگ کے ساتھ کون سے عالم ہیں۔ قائد اعظم نے فرمایا:۔

"مسلم لیگ کے ساتھ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ ہیں جو ایک چھوٹی سی بستی میں رہتے ہیں مگر وہ اتنے بڑے عالم دین ہیں کہ سب علماء کا علم و تقویٰ ایک پلڑے میں رکھا جائے اور مولانا اشرف علی صاحبؒ کا علم و تقدس دوسرے پلڑے میں تو مولانا کا پلہ بھاری رہے گا۔ ہمارے واسطے ان کی حمایت بس ہے۔"

یہ واقعہ بمبئی کے سیٹھوں سے معلوم ہوا جن میں سیٹھ محمد عمر کا نام یاد ہے۔
اسی زمانے (۱۳۴۷ھ) میں بندہ نے قرآن حفظ کیا۔ درس وتدریس اور افتاء وتالیف کے مشاغل کے ساتھ چھ مہینے میں قرآن حفظ ہو گیا فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَلَہُ الشُّکْرُ۔

۱۳۴۹ھ میں آنکھوں میں کچھ بیماری کا اثر ہوا تو طبیب نے مشورہ دیا کہ ساحلِ بحر پر قیام مفید ہو گا۔

اتفاق سے اسی زمانے میں رنگون سے حضرت حکیم الامت رحؒ کے بعض خدام کا خط آ گیا کہ مدرسہ راندیریہ رنگون میں ناظم کی جگہ خالی ہے تنخواہ ایک سو پچھتر روپیہ ہے، کوئی صاحب اس جگہ کو پسند کریں تو ان کو بھیج دیا جائے۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ مجھے طبیب نے کچھ عرصے کے لئے ساحلِ بحر پر قیام کی ضرورت ظاہر کی ہے، سال بھر کی رخصت دے دی جائے تو میں چلا جاؤں۔ حضرت نے منظور فرما لیا اور میں ایک سال کے لئے رنگون چلا گیا۔

مدرسہ راندیریہ کے نام سے یہ سمجھا تھا کہ اس میں علوم عربیہ کی تعلیم ہو گی۔ مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ پرائمری اسکول ہے جس میں اردو کی تعلیم چار کلاس تک ہوتی ہے اور دو قاری تعلیم قرآن اور دینیات کے لئے مقرر ہیں۔

ناظم کا کام تعلیم کی نگرانی اور ہر جمعرات کو ہائی اسکول میں وعظ کہنا ہے۔ جس میں ہائی اسکول اور پرائمری اسکول کے طلبہ اور مدرسین

سب شریک ہوتے ہیں۔

قلب پر اول اول تو گرانی ہوئی کہ میں کہاں آگیا مگر بعد میں یہ دیکھ کر قلب کو اطمینان ہوا کہ یہاں تبلیغ کی ضرورت ہے۔ کیا عجیب ہے کہ اللہ تعالےٰ مجھ سے خدمتِ دین کا کام لے لیں۔ چنانچہ اللہ کا نام لے کر تبلیغ پر توجہ کی۔ رانڈیریہ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو علما سے بہت بعد تھا مگر میرے طرزِ بیان سے بہت متاثر ہوئے اور اوقاتِ اسکول میں خود بھی نماز کے پابند ہو گئے اور دوسرے ماسٹروں کو بھی پابند بنایا۔

رنگوں میں ایک شدیدی پارٹی تھی جس میں پندرہ سولہ سال جوان تھے جو سب کے سب بدعتی خیال کے تھے۔ علماء دیوبند کا کوئی جلسہ یا تقریر ہوتو پتھر پھینکتے اور جلسے کو درہم برہم کر دیتے۔

اتفاق سے ایک مشن ہائی اسکول کے پادری نے اسکول کے ماہوار میگزین میں ایسا مضمون شائع کیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر رکیک حملے کئے گئے تھے۔ ہائی اسکول کے طلبہ وہ میگزین میرے پاس لائے اور پادری کے خلاف احتجاج کرنا چاہا۔

میں نے صدر جمعیۃ علماء برما سے مشورہ کر کے جلسہ بلایا اور اس جلسے میں شدیدی پارٹی کے سردار طلا محمد خان کو بھی مع جماعت کے مدعو کیا۔ علماء نے اعتراض کیا کہ ان لوگوں کو ہم نے کبھی کسی جلسے میں مدعو نہیں کیا۔ ان کو بلانا مناسب نہیں ہے۔ میں نے کہا اس جلسے کا جو مقصد ہے اس کو پورا کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ آپ کو معلوم ہو جائیگا

چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور ہر مکتب خیال کے مسلمان اس میں شریک ہوئے مگر مولوی حشمت علی لکھنوی شریک نہ ہوئے جو اس وقت مجلس میلاد میں میلاد خوانی کرتے پھرتے تھے۔

جب اس جلسے میں مقررین نے اپنی اپنی تجویزیں پیش کیں تو طلا محمد خان کھڑے ہوئے اور کہا :-

"مولانا ہم یہ باتیں نہیں جانتا، ہم کو تو حکم دیجئے۔ آپ جو حکم دیں گے، اس کی تعمیل کی جائے گی۔ اگر اس ہیڈ ماسٹر گستاخ کو قتل کرنا ہے تو ہم آج ہی یہ کام انجام دیں گے۔ اسکول بند کرانا ہے تو اس کے لئے بھی ہم حاضر ہیں"

میں نے کہا جزاک اللہ! ہم کو آپ سے یہی امید ہے مگر پہلے ان تجاویز پر عمل کر لیا جائے جو دوسرے حضرات پیش کر رہے ہیں، ان سے کام نہ چلا تو پھر آپ سے کام لیا جائے گا"

مگر طلا محمد کے دو چھوٹے بھائی رات بھر نماز اور توبہ و استغفار میں مشغول رہے پھر اپنی بیویوں سے حقوق معاف کرا کر، پستول لے کر بڑے بھائی سے آخری ملاقات کرنے گئے تو اس نے پستول ان سے لے لئے اور کہا تم جا کر ہاتھ سے اور بید سے کام لو۔ پستول لے کر میں آرہا ہوں۔

یہ دونوں مشن ہائی اسکول میں پہنچے اور اس ہیڈ ماسٹر گستاخ کو اس کی کلاس ہی میں للکارا اور کرسی سے گرا کر لات سے اور بید سے

خوب مارا۔ یہ خبر سن کر بڑا پادری جو اسکول کا پرنسپل تھا، دوڑا ہوا آیا۔ چونکہ یہ دونوں بھائی اس کے لئے اجنبی نہ تھے (چھوٹا گل محمد خاں تو اسی مشن اسکول سے انٹرنس پاس ہوا تھا) کہنے لگا" ویل، گل محمد خان، کیا بات ہے؟ کہا:۔

"یہ ہیڈ ماسٹر بڑا خبیث ہے۔ اس نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت گستاخی کی ہے، اس کو اسکول سے نکالو اور جب تک ہمارے علماء اجازت نہ دیں اسکول کو بند کر دو، ورنہ فساد ہو جائے گا۔"

ہیڈ ماسٹر نے گھبراہٹ میں اسکول کے پھاٹک پر لکھ دیا کہ اسکول کو بند کیا جاتا ہے جب تک علماء اسلام اجازت نہ دیں گے، بند رہے گا تین دن کے بعد ہمارے پاس پرنسپل کا پرچہ آیا کہ براہ کرم اسکول کھولنے کی اجازت دی جائے۔ ہم نے چند شرائط کے بعد اجازت دے دی۔

ان میں ایک بڑی شرط یہ تھی کہ مسلمان بچے بائیبل نہیں پڑھیں گے بائیبل کے گھنٹے میں قرآن کریم اور تاریخ اسلام اور سیرت رسول پڑھا کریں گے۔

دوسری بڑی شرط یہ تھی کہ یہ ہیڈ ماسٹر تمام مسلمانوں سے معافی مانگے اور طلب معافی کا مضمون اپنے میگزین کے علاوہ تمام اخبارات میں جو رنگون سے نکلتے ہیں، شائع کراتے اور اپنے میگزین میں اقرار کرے

کہ جو مضمون اس نے پہلے لکھا تھا، بالکل غلط تھا۔ پیغمبر اسلام کی صحیح سوانح حیات وہ ہے جو اب شائع کی جاتی ہے

یہ شرطیں منظور کی گئیں، اور یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سوانح حیات لکھ کر سید عنایت حسین صاحب مرحوم ہیڈ ماسٹر زاندیر ہائی اسکول کو دی۔ انھوں نے اس کی انگریزی بنا کر مشن ہائی اسکول کے پادری کو بھیج دی اور ہیڈ ماسٹر مشن ہائی اسکول نے معافی نامے کے ساتھ اس مضمون کو اپنی طرف سے شائع کیا۔

جب یہ مضمون انگریزی ٹائپ میں چھپ کر میرے پاس تھانہ بھون آیا (اس وقت میں تعطیل گرما میں گھر پر آیا ہوا تھا) تو میں نے خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری سے کہا کہ ذرا یہ مضمون حضرت حکیم الامت کو ترجمہ کر کے سنا دیجیے۔

خواجہ صاحب نے یہ مضمون سنایا تو فرمایا کہ یہ پادری بڑا سمجھدار معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اس خوبی سے بیان کر رہا ہے کہ انگریزی خواں مسلمان بھی ایسا نہیں بیان کر سکتے۔

میں نے ہنس کر عرض کیا، مضمون تو میرا ہے جس کو اس نے اپنے نام سے شائع کیا ہے۔ فرمایا تم نے تو اس کو مسلمان ہی بنا دیا۔

اس پورے واقعے میں چونکہ سارا کام علماء دیوبند نے کیا، بدعتی علماء نے کچھ حصہ نہیں لیا۔ لہٰذا شیدی پارٹی کے نوجوان بگڑ گئے اور کہنے لگے "اللہ کے نام پر تحفظ ناموسِ رسول ﷺ کے لئے جان دینے کو تو علماء

دیوبند ہیں اور میلاد پڑھ کر روپیہ لینے کو یہ بدعتی علماء رہ گئے ہیں۔
اسی ایک واقعہ سے یہ پوری جماعت بدعت سے تائب ہو کر ہمارے ساتھ ہو گئی۔ اور اب ہم لوگ جرأت کے ساتھ علانیہ تبلیغ و وعظ کرنے لگے اور جب کسی موقع پر حکومت برما نے شرعی مسائل میں مداخلت کی ہم نے اس کو مداخلت فی الدین سے روک دیا۔
چنانچہ ایک مرتبہ گورنر برما نے یہ آرڈر دیا کہ بقرعید کی قربانی صرف پہلے دن بارہ[۱۲] بجے تک ہو سکتی ہے اس کے بعد نہیں ہو سکتی ہم نے اس پر احتجاج کیا تو حکومت کو اپنا آرڈر واپس لینا پڑا۔ ہر موقع پر رشیدی پارٹی نے بڑی ہمت سے کام لیا۔
زمانۂ قیام رنگون میں بندہ نے حضرت قطب زمان سید احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ کے مواعظ موسومہ بہ البرھان المؤید کا ترجمہ بنام البیان المشید لکھا جو بحمد اللہ شائع ہو چکا ہے اور حضرت حکیم الامت رحمہ نے بہت پسند کیا۔
اس کے بعد رسالہ القول المنصور فی ابن منصور تالیف جس کا مواد عربی میں حضرت حکیم الامت نے جمع کیا تھا۔ بندہ نے اس کے ترجمہ اور ترتیب کا کام پورا کر کے حضرت کو دکھلایا، بہت خوش ہوئے اور تقریظ میں میرے ہاتھوں کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ فللہ الحمد ولہ الشکر۔
اسی زمانے میں بعض عربی قصائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی مدح وثنا میں لکھ کر حضرتؒ کے پاس بھیجے، بہت خوش ہوئے۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ نے ان کی فصاحت و بلاغت اور سلاست و انسجام کی تعریف کی۔

رنگون کے پاس چالیس میل کے فاصلے پر ایک بستی ڈیڈلو نام تھی۔ وہاں کے سارے مسلمان بہائی مذہب قبول کر کے مرتد ہو گئے تھے۔ حاجی محمد یوسف صاحب سورتی جو رنگون کے بڑے تاجر اور حضرت حکیم الامتؒ کے مجاز صحبت اور میرے رنگون بلانے میں سب سے زیادہ ساعی تھے، اس بستی کے مسلمانوں کے ارتداد سے بہت رنجیدہ تھے۔

ایک دفعہ مجھ سے کہنے لگے کہ رنگون میں ماشاء اللہ، بہت علماء ہیں مگر رنگون کے قریب اس بستی کے سارے مسلمان مرتد ہو گئے۔ میں نے کہا آپ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام میں واپس آجائیں؟ فرمایا، یہ تو میری عین تمنا ہے۔ میں نے کہا اس کے لئے کچھ خرچ کی ضرورت ہوگی۔ فرمایا، جتنا مجھ سے ہو سکے گا۔ اس کے لئے میں حاضر ہوں۔ بندہ نے علماء کی ایک جماعت کے ساتھ اس بستی میں تبلیغ شروع کی۔

اللہ نے کیا، ایک ہی سال میں سب مسلمان تائب ہو گئے صرف سترہ ۱۷ آدمی بہائی رہ گئے جن کو مرکز بہائیت امریکہ سے بڑی بڑی تنخواہیں ملتی تھیں۔ مرکز بہائیت کو اس بستی پر بڑا ناز تھا کہ ساری بستی کو ہم نے فتح کر لیا ہے مگر بحمد اللہ ان کا فخر خاک میں مل گیا اور اسلام

کو فتح کامل نصیب ہوئی۔

اسی زمانے (۱۳۴۸ھ) میں مجھے تیسری بار حج و زیارت مدینہ کی توفیق ہوئی۔ حج سے فارغ ہو کر چند روز تھانہ بھون میں قیام کر کے رنگون چلا گیا۔ اعلاء السنن کی تالیف کا کام ہر جگہ کرتا رہا مگر ظاہر ہے کہ حضرت حکیم الامت رح کے پاس رہ کر جیسا کام ہوتا تھا ویسا پیچھے نہ ہوتا۔ اس لئے تھانہ بھون آکر اس پر دوبارہ نظر ثانی کرنی پڑتی تھی۔

قیام رنگون کے زمانے میں ضلع ٹانگو میں ایک بڑا فاضل پادری آیا تھا۔ جس سے وہاں کے مسلمان مرعوب تھے۔ بندہ وہاں پہنچا اور ایک دوست مولانا ولی محمد صاحب کے واسطے سے اس کے ساتھ گفتگو ہوئی۔ مولانا ولی محمد صاحب انگریزی خوب بولتے تھے۔ بحمد اللہ پادری لاجواب ہو گیا۔

میں رنگون ایک سال کے لئے گیا تھا مگر تبلیغی ضرورتوں سے وہاں مجھے ڈھائی سال لگ گئے۔ پھر تھانہ بھون واپس آکر اعلاء السنن کی تالیف اور خدمت افتاء وغیرہ میں مشغول ہو گیا۔

یہ ۱۳۴۹ھ کا زمانہ تھا۔ اسی عرصے میں مولانا محمد زاہد کوثری مصری کا خط حضرت حکیم الامت رح کے نام صحاح ستہ کی سند حاصل کرنے کے لئے آیا۔ حضرت نے ان کو سند دے دی۔

موصوف ایک زمانہ تک ترکی میں نائب شیخ الاسلام رہ چکے تھے اور مولانا اسعد ددہ سے تعلق بیعت تھا (ترکی اصطلاح میں ددہ ہی

صوفی کو کہتے ہیں جس نے دس سال کا خاص مجاہدہ پورا کر لیا ہو) مولانا اسعد ودّہ کو ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بھی اجازت تھی۔

علامہ محمد زاہد کوثری نے اعلاء السنن اور مقدمۃ اعلاء السنن پر بہت عمدہ تقریظ لکھی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے وہ بہت خوش ہوتے۔ موصوف کو اس کتاب کا تعارف مولانا سید احمد رضا جونپوری اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے ذریعے سے ہوا جب یہ دونوں حضرات فیض الباری طبع کرانے کے لئے مصر تشریف لے گئے تھے۔

مولانا ابو الوفا افغانی مقیم حیدر آباد دکن نے بھی اپنے مصری احباب کو علماء ہند کی علمی تصانیف سے روشناس کرایا۔

اعلاء السنن کی تالیف میں محاذات نساء کے مسئلے میں حنفیہ کی مؤید احادیث کی تلاش میں مولانا انور شاہ صاحب کی خدمت میں دار العلوم جانا ہوا تو موصوف نے اپنی بیاض میرے حوالے کر دی جس میں حنفیہ کی مؤید احادیث کی نشاندہی کی گئی تھی۔ اس میں محاذات نساء کا مسئلہ تو نہ ملا، دوسرے مسائل کے دلائل بہت سے ملے جو دو دن کے قیام میں جس قدر ہو سکا قلم بند کر لئے گئے۔ مسئلہ محاذات نساء کی دلیل مجھے مجمع الزوائد میں تلاش کرنے سے مل گئی جو اعلاء السنن میں درج کی گئی۔

اسی عرصے میں میرا جانا سہارنپور ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رح

نے فرمایا کہ مسئلہ محاذات نساء میں تم کو کوئی واضح دلیل حدیث سے تائید حنفیہ میں ملی ہے؟ بندہ نے عرض کیا "جی ہاں، مجمع الزوائد میں ملی ہے پھر میں نے وہ حدیث نکال کر دکھلائی تو حضرت خوش ہوئے اور فوراً اس کو نوٹ کر لیا۔

حضرت اس زمانے میں بذل المجہود (شرح ابی داؤد) کی تصنیف میں مشغول تھے اور بندہ اعلاء السنن کی تالیف میں۔ اس لئے جب کبھی حاضر خدمت ہوتا، حضرت بذل کے خاص مقامات دیکھنے کی ہدایت فرماتے اور یہ بھی فرماتے کہ ذرا میری عربیت پر بھی نظر کر لینا جہاں خامی ہو، اطلاع دینا۔ بندہ نے عرض کیا حضرت کی عربیت کو ہم کیا دیکھیں گے! بحمد اللہ نہایت عمدہ عربی سلف جیسی ہے۔ فرمایا:-

"میں یہ کتاب بطور تصنیف کے نہیں لکھ رہا ہوں۔ بلکہ بطور املاء کے لکھوا رہا ہوں، املاء میں خامی رہ جانا بعید نہیں۔"

غرض یہ بڑا مبارک اور پُر لطف زمانہ تھا کہ دفعتہً شوال ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے پھر سفر حرمین کا قصد فرما لیا کیونکہ مولانا محب الدین صاحب کا خط آ گیا تھا کہ اب آپ کا وقت قریب ہے۔ مدینے پہنچ جائیے۔

حضرت نے فوراً سامان شروع کر دیا اور مولانا عبد اللطیف صاحب کو ناظم مدرسہ مظاہر علوم بنا کر پہلے مکہ معظمہ پھر مدینہ منورہ پہنچ کر بذل کی تکمیل میں مشغول ہو گئے کہ ابھی کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا۔

اس سے فارغ ہوکر اس خوشی میں احباب کا خاص اجتماع مدینہ منورہ میں کیا، پھر فالج کا حملہ ہو گیا جس کے بعد ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ میں عالم آخرت کی طرف انتقال فرما کر بقیع الغرقد میں دفن ہو گئے، یہ آپ کی دیرینہ آرزو تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اس کے بعد کچھ تو دل پر صدمہ تھا پھر بینائی میں خلل کی بنا پر طبیب نے مشورہ دیا کہ کچھ دن ساحل بحر پر قیام مفید ہوگا۔ اس لئے سال بھر کی رخصت لے کر تھانہ بھون سے رنگون چلا گیا۔ جس کا تذکرہ اوپر کر چکا ہوں میرے قیام رنگون کے زمانے میں مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی مرحوم نے بھی اعلاء السنن کے کچھ حصے لکھے تھے۔ جب میں واپس آیا۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ مولوی حبیب احمد صاحب کے لکھے ہوئے حصوں پر نظر ثانی کرو کیونکہ ان پر علوم عقلیہ کا غلبہ ہے اور اس کتاب میں علوم نقلیہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

چنانچہ بندہ نے ان کے لکھے ہوئے حصوں پر نظر ثانی کی اور ہر حصے پر تتمات لکھے جن میں دلائل نقلیہ کا اضافہ کیا گیا۔ کچھ حصے مستقل طور پر خود بھی لکھے

اس طرح ۱۳۵۸ھ میں یہ کتاب مکمل ہو گئی۔ جس میں ابواب الطہارت سے کتاب المواریث تک جملہ مسائل خلافیہ مشہورہ میں مذہب حنفی کی تائید کے لئے بہت بڑا ذخیرۂ حدیث جمع ہو گیا۔

اس کتاب کے گیارہ حصے مع مقدمہ حضرت حکیم الامت کی حیات

ہی میں طبع ہو گئے تھے۔ بارھواں اور تیرھواں حصہ ابھی ۱۳۸۵ھ و ۱۳۸۶ھ میں طبع ہو گیا ہے۔ باقی حصے زیر طبع ہیں۔ امید ہے کہ پوری کتاب ایک دو سال میں طبع ہو کر ناظرین کے سامنے آجائے گی۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ جو صاحب یہ حصے طبع کرا رہے ہیں، اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

تمنا یہ ہے کہ یہ پوری کتاب عربی ٹائپ میں بھی طبع ہو جائے کہ ممالک اسلامیہ میں عربی ٹائپ ہی مقبول ہے اور یہ پوری کتاب عربی زبان میں ہے جو ممالک عربیہ اسلامیہ والے ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔ سات حصوں کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔ بعد کے حصوں کا اردو ترجمہ نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دیں کہ وہ بقیہ حصوں کا اردو ترجمہ بھی سات حصوں کے طرز پر شائع کر دے تو اہل ہند و پاکستان کے عوام بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ مشکوٰۃ میں فصل رابع کا اضافہ کر کے ہر باب میں اعلاء السنن کے متن سے احادیث مؤیدہ حنفیہ فصل رابع میں بڑھا دی جائیں تاکہ مشکوٰۃ پڑھنے والوں کو ہر باب میں حنفیہ کے دلائل بھی ساتھ ساتھ معلوم ہوتے رہیں۔ احادیث متن کی شرح حضرات مدرسین کو اعلاء السنن سے معلوم ہو سکے گی۔

اعلاء السنن کی تکمیل کے بعد حضرت حکیم الامت نے احکام القرآن جمع کرنے کا حکم دیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ قرآن کریم سے کتنے بیشمار مسائل حنفیہ نے استنباط کئے ہیں۔ دلائلِ حدیثیہ کے بعد دلائلِ

قرآنیہ جمع ہو جائیں اور اس کے بعد مسائل اجماعیہ بھی جمع کر دئیے جائیں تو مذہب حنفی میں قیاسی مسائل کی تعداد بہت کم رہ جاتی ہے۔

محدث ابن المنذرؒ کی کتاب الاشراف طبع ہو جائے تو مسائل اجماعیہ کا بڑا ذخیرہ جمع ہو جائے گا ورنہ المغنی لابن قدامہؒ سے بھی ہر باب میں مسائل اجماعیہ معلوم ہو سکتے ہیں۔

بندہ نے کتاب احکام القرآن سورۂ آل عمران تک لکھی تھی کہ میرے استاد بحر العلوم مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی کا موٹر کے حادثہ میں انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ڈھاکہ یونیورسٹی میں ان کی جگہ بعض احباب نے مجھے بلانے کی تحریک کی۔ چونکہ اس وقت تھانہ بھون میں مکان بنانے کی وجہ سے میرے ذمہ قرض بہت ہو گیا تھا اور یونیورسٹی میں تنخواہ معقول تھی اس لئے میں نے حضرت حکیم الامتؒ سے اس جگہ پر جانے کی اجازت چاہی دکاشش میں اس کا ارادہ نہ کرتا) حضرت نے اجازت دے دی اور میں ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ میں تھانہ بھون سے ایک سال کی رخصت لے کر ڈھاکہ روانہ ہو گیا۔

یونیورسٹی میں میرے سپرد ہدایہ، بخاری شریف، مسلم شریف اور کتاب التوحید کے اسباق تھے۔ کبھی کبھی تقریر بھی کرنا پڑتی تھی۔

یونیورسٹی کے علاوہ مدرسہ اشرف العلوم (ڈھاکہ) میں بھی جو میرے احباب نے میری سرپرستی میں قائم کیا تھا: موطا، بیضاوی اور مثنوی

وغیرہ کا درس بھی بلا معاوضہ میں نے اپنے ذمے کر لیا تھا۔ ان اسباق میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے بعض پروفیسر بھی شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر شہید اللہ صاحب، ڈاکٹر سراج الحسن صاحب اور ڈاکٹر جیلانی صاحب اسی زمانے کے میرے شاگرد ہیں۔ مدرسہ اشرف العلوم کے اکثر مدرسین نے بھی موطا امام مالکؒ اور مثنوی مولانا رومؒ میرے پاس پڑھی ہیں۔

ڈھاکہ یونیورسٹی کا امتحانِ دینیات بیرونی علماء لیا کرتے تھے۔ ایک بار مولانا سید سلیمان صاحبؒ ندوی نے میری جماعت کا امتحان دینیات تحریری لیا۔ میرے طلبہ کے جوابات دیکھ کر مولانا بہت خوش ہوتے اور ایک خط میں مجھے لکھا کہ:۔

"میں نے الٰہ آباد یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ کا بھی امتحانِ دینیات لیا ہے مگر جیسے جوابات آپ کی جماعت نے لکھے، کسی یونیورسٹی کے طلبہ نے نہیں لکھے۔ اس پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ بعض طلبہ نے عربی میں جواب لکھے، ان کی عربی بھی اچھی تھی"۔

ڈھاکہ کے زمانۂ قیام میں اکثر اطرافِ بنگال سے مجھے وعظ و تقریر کے لئے بلایا جاتا تھا۔ بحمد اللہ ہر جگہ لوگوں میں خاص اثر ہوا۔ مدارس عربیۂ بنگال، ہاٹ ہزاری وغیرہ کے سالانہ جلسوں میں بھی مدعو کیا جاتا اور میں ضرور شرکت کرتا اور عوام و خواص جلسے میں

میرے جانے سے بہت خوش ہوتے تھے۔

خود ڈھاکہ یونیورسٹی میں بھی بعض پروفیسر باوجود مسلمان ہونے کے بعض عقائد اسلامیہ میں تذبذب کا شکار تھے۔ ان کی بہت کچھ اصلاح ہوئی۔

بعض ہندو پروفیسر جو تاریخ و فلسفہ اور سائنس پڑھاتے تھے بعض دفعہ تعلیمات اسلام پر اعتراض کرتے تو طلبہ میرے پاس شکایت لاتے اور میں اپنی تقریروں میں ان کو تنبیہ کرتا تھا کہ اگر کسی کو اپنے علم کا دعوٰے ہے اور اسلام کی تعلیم پر اعتراض ہے، وہ مجھ سے گفتگو کرے، طلبہ کو کس لئے پریشان کیا جاتا ہے؟ طلبہ کا علم ابھی ناقص ہے اور وہ جواب دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس کے بعد کسی ہندو پروفیسر کو اسلام پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

ربیع الآخر ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ء) میں بندہ تعطیل گرما گزارنے تھانہ بھون گیا تو حضرت حکیم الامت کو بھوک ساقط ہو جانے اور دست بڑھ جانے کی شکایت تھی جس سے ضعف بڑھ گیا تھا مگر سہارنپور اپنے خاص معالج کے پاس چار پانچ روز قیام کرنے سے کچھ فائدہ ہوا کہ واپس تشریف لاکر زنانہ مکان کے متصل ایک نشست گاہ میں ظہر سے عصر تک مجلس قائم کرنے لگے جس میں خاص احباب اور بیرونی مہمان حضرت کے ملفوظات سے مستفید ہوتے تھے (اس سے پہلے مکان سے باہر آنا بھی دشوار تھا، گھر میں خاص احباب کو بلا لیا جاتا اور کچھ دیر باتیں

ہو جائیں ،

یہ حالت دیکھ کر میں آخر جون میں واپس ڈھاکہ آگیا مگر جولائی میں میرے گھر والوں کا خط آیا کہ حضرت کی حالت پھر غیر ہو گئی ہے ، آپ جلد آجائیں ۔

میں نے اس خط پر زیادہ خیال نہ کیا کیونکہ ابھی تو میں اچھا چھوڑ کر آیا تھا ۔ مستورات کا دل نرم ہوتا ہے ، شاید معمولی تغیر سے گھبرا گئی ہوں مگر رات کو خواب دیکھا کہ :۔

"میں تھانہ بھون گیا اور حضرت سے ملا تو حضرت مجھے دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا " الحمد للہ میری نماز جنازہ پڑھانے والا آگیا "

اس خواب سے میں گھبرا گیا اور شفاء الملک حکیم حبیب الرحمن صاحب مرحوم سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا " آپ ابھی تھانہ بھون روانہ ہو جائیں دیر نہ کریں " میں نے کہا اتنی جلدی ڈھاکہ یونیورسٹی سے چھٹی ملنا آسان نہیں ۔ فرمایا " آپ درخواست لکھ کر میرے حوالے کر دیں ، میں سب کام کر دوں گا "

چنانچہ میں نے جلد ہی روانگی کا ارادہ کیا ۔ اس خواب کا تذکرہ حکیم صاحب موصوف کے علاوہ دو حضرات سے اور کر دیا تھا ، وہ بھی میرے ساتھ تھانہ بھون چلنے کو تیار ہو گئے ۔ میں نے اس شرط پر اپنے ساتھ لے جانا منظور کیا کہ اس خواب کا تذکرہ وہاں کسی سے نہ

کریں (خواہ مخواہ اعزہ و احباب کو پریشانی ہوگی)

چنانچہ میں اگلے دن تھانہ بھون کے لئے روانہ ہوگیا۔ تیسرے دن حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت بہت خوش ہوتے فرمایا:-

"کتنی رخصت لے کر آئے ہو" عرض کیا ایک ماہ کی۔ فرمایا:-
"بہت تھوڑی ہے" عرض کیا بعد میں توسیع کرالی جائے گی۔ فرمایا:-
"بہت اچھا"

مگر مجھے حاضرِ خدمت ہوتے دس ہی دن ہوئے تھے کہ حضرت نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور توسیع رخصت کی ضرورت نہ رہی۔

اس دن احقر ہمہ تن حضرت کی خدمت و تیمار داری میں مشغول رہا۔ بعض حضرات جو چھ مہینے، سال بھر سے تیمار داری کی خدمت بجالا رہے تھے، عین انتقال کے وقت موجود نہ تھے۔ آخری خدمت اللہ تعالٰے نے بندہ کے لئے مقدر کی تھی۔

سورۂ یٰسٓ میں نے پڑھی اور حالتِ نزع میں آبِ زمزم میں شہد ملا کر چمچے سے بار بار پلاتا رہا۔ یہاں تک کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

انتقال عشاء کے وقت شب سہ شنبہ ۱۶ رجب سنہ ۱۳۶۲ھ میں ہوا سب خدام نمازِ عشاء کو گئے ہوئے تھے۔ میں نے مولانا والی مسجد میں اول وقت اذان دلا کر جلد ہی جماعت سے نماز پڑھ لی اور جلد ہی حاضرِ خدمت ہوگیا۔

معلوم ہوا کہ حضرت نے مجھے پکارا بھی تھا۔ میں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے کسی خاص کام کے لئے بلایا تھا؟ فرمایا:۔ ہاں!

"میری جان نکل رہی ہے"

بندہ نے سر قبلہ رُخ کر کے سورۂ یٰسٓ پڑھنی شروع کی اور آبِ زمزم میں شہد ملا کر پلاتا رہا۔

رات ہی کو بجلی کی طرح خبر شہر میں اور آس پاس کے دیہات میں پھیل گئی۔ رات کی ریل سے سہارنپور جانے والوں نے وہاں بھی خبر پہنچا دی۔ اس لئے کفن دفن کو صبح پر موقوف رکھا گیا۔

صبح کے بعد سے ہر گاڑی میں لوگ شرکتِ نمازِ جنازہ کے لئے آرہے تھے۔ بارہ[12] بجے دن کے سہارنپور سے گاڑی آئی تو اس میں علماء مظاہر علوم کی بڑی جماعت تھی۔

زوالِ آفتاب کے بعد حضرتؒ کے چھوٹے بھائی جناب ماموں منشی مظہر علی صاحب نے، کہ وہی ولی تھے، مجھے آواز دی کہ مولوی ظفر نمازِ جنازہ پڑھاؤ، اب دیر کی ضرورت نہیں۔

میں نے عرض کیا کہ حضرات علماء مظاہر علوم بھی موجود ہیں، ان میں سے کسی کو اس خدمت کے لئے تجویز کیا جائے۔ فرمایا:۔

"نہیں، تم ہی نماز پڑھاؤ"

اب مجھے اپنا خواب پیش نظر ہو گیا کہ مجھے تو ڈھاکہ سے بلایا ہی اس کام کے لئے گیا ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھاؤں۔ اس لئے آگے

پڑھ گیا اور نماز جنازہ پڑھائی - اب میں نے احباب کو اجازت دے دی کہ میرا وہ خواب بیان کر سکتے ہیں -

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال سے دو دن پہلے ایک تحریر بھی بندہ کو دی تھی - حالانکہ ہاتھوں میں لکھنے کی طاقت نہ تھی - اس میں لکھا تھا:

"ھنیئا لکم النموذج اٰیۃ وجعلناھا وابنھا اٰیۃ للعٰلمین"

یہ تحریر دے کر فرمایا کہ :-

"پڑھ لیا اور سمجھ لیا ؟"

عرض کیا کہ پہلا لفظ نہیں پڑھا گیا - فرمایا ھنیئا لکم (مبارکباد)

عرض کیا "بس اب سمجھ گیا" اور اس نعمت پر سجدۂ شکر بجالایا -

حضرتؒ کے انتقال کے بعد دس دن تھانہ بھون قیام کر کے ڈھاکہ روانہ ہو گیا - ڈھاکہ یونیورسٹی کے صدر شعبۂ دینیات سید معظم حسین صاحب نے میرے پہنچنے پر جلسہ منعقد کیا اور حضرت حکیم الامتؒ کی مختصر سوانح اور تجدیدی کارناموں پر تقریر کی درخواست کی - میں نے ایک گھنٹے تک حضرت کے حالات اور کمالات بیان کئے - پھر دوسرے حضرات نے اسی موضوع پر تقریریں کیں اور حضرتؒ کو خراج عقیدت پیش کیا -

یہ جولائی سنہ ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے - اس وقت مسلم لیگ مطالبۂ پاکستان پر جمی ہوئی تھی اور حکیم الامتؒ کی جماعت اس کی حمایت کر

رہی تھی۔ پھر یہ رائے ہوئی کہ مطالبۂ پاکستان کے لئے علماء کو اپنا مستقل مرکز قائم کرنا چاہیئے۔ جمعیۃ علماء ہند کانگریس کے ساتھ تھی۔

ہم نے اکتوبر ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ علماء اسلام کی بنیاد کلکتہ میں ڈالی۔ چار دن تک اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ لوگوں کا بیان تھا کہ خلافت کانفرنس (کلکتہ) کے بعد ایسا اجلاس کلکتے میں کبھی نہیں ہوا۔

اس اجلاس میں حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کو صدر مرکزی منتخب کیا گیا۔ حضرت مولانا اس وقت علیل تھے۔ اس لئے کلکتے تشریف نہ لا سکے مگر اپنا ایک پیام مولانا ظہور احمد دیوبندی کے ہاتھ اجلاس میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا تھا۔

اسی پیام کو سنانے کے بعد میں نے تحریک کی کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو صدر جمعیۃ علماء اسلام منتخب کیا جائے سب نے بالاتفاق اس کی تائید کی۔ اس قرارداد کو لے کر میں دیوبند حاضر ہوا تو آبدیدہ ہو کر فرمایا:۔

”کہ بھائی میں تو سولہ مہینے سے صاحب فراش ہوں مجھ میں سفر کی ہمت کہاں؟ اور اس کے لئے صدر کو جابجا جلسے کرنا اور تقریر کرنا ہوگی، جیسا کہ مولانا حسین احمد صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند جابجا جلسے کرتے اور مطالبۂ پاکستان کے خلاف تقریریں کرتے ہیں۔“

میں نے عرض کیا ”آپ صدارت قبول فرمالیں، کام کی ذمہ داری

میں اپنے سر لیتا ہوں"۔ مولانا خوش ہوتے اور صدارت قبول فرما کر جمعیتہ علماء اسلام کی بنیاد مضبوط کر دی۔

اب میں نے پاکستان الیکشن کے سلسلے میں طوفانی دورہ شروع کیا جس میں تقریباً چار مہینے تک پورے ہندوستان کا مسلسل سفر کیا کہ ایک قدم یو۔پی۔ میں تھا تو دوسرا بہار میں، کبھی بنگال میں تھا تو کبھی پنجاب و سرحد میں، کبھی سندھ میں تو کبھی بمبئی میں۔

ہر روز جلسہ ہوتا تھا۔ صبح کو کسی جگہ، شام کو کسی جگہ، عشاء کے بعد کسی اور جگہ۔ میرے اس دورے کی خبریں خطوط و اخبارات سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو ملتی رہتی تھیں۔

جب میں اسی زمانے میں ایک بار دیوبند پہنچا تو خوش ہو کر فرمایا:

"ہمیں یہ امید نہ تھی کہ آپ اس جفاکشی سے کام کریں گے واقعی آپ نے تو بڑے بڑے ہمت والوں کے بھی حوصلے پست کر دیئے"

یہ دورہ کیسا کامیاب رہا؟ اس کے لئے نوابزادہ لیاقت علی خاں مرحوم وزیر اعظم پاکستان کا مکتوب گرامی نقل کر دینا کافی ہے جو موصوف نے دفتر مرکزی مسلم لیگ سے میرے نام ڈھاکہ بھیجا تھا۔

نمبر ۵۰۵۰ ۱۷، دسمبر ۱۹۴۵ء۔ دہلی

محترم المقام زاد اللہ مکارمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث اس سے قبل آپ کو خط

نہ لکھ سکا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں اللہ پاک نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور اس سلسلے میں آپ جیسی ہستیوں کی جد وجہد بہت باعث برکت رہی۔

آپ حضرات کا اس نازک موقع پر گوشۂ عزلت سے نکل کر میدانِ عمل میں اس سرگرمی کے ساتھ جد وجہد کرنا بے حد مؤثر ثابت ہوا۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ خصوصاً اس حلقۂ انتخاب میں جہاں سے ہماری ملی جماعت نے مجھے کھڑا کیا تھا۔

آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کر دئے ہیں۔ بہرحال اس سے بھی سخت معرکہ سامنے ہے (مراد صوبائی انتخابات)

ہمیں اللہ کے فضل سے قوی امید ہے کہ دشمنانِ ملت اس معرکے میں بھی خاسر ونامراد ہی رہیں گے۔

امید ہے کہ اس عرصے کے لئے آپ کو رخصت مل جائے گی اور آپ کی تحریروں، تقریروں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنے والی منزل کی دشواریوں کو بھی معتدبہ حد تک ختم کر سکیں گی۔

والسلام مع الاکرام

لیاقت علی خان"

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر جمعیۃ علماء اسلام بننے کے بعد رو بصحت ہو گئے کہ اب انہوں نے دیوبند، میرٹھ، دہلی وغیرہ میں پاکستان حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو جوشیلے انداز میں تیار کیا۔

صوبائی الیکشن کی جد وجہد میں آپ نے بمبئی، لاہور اور پشاور تک متعدد جلسوں میں صدارت کی اور اپنی تقریروں سے مسلمانوں کو پاکستان کے لئے ووٹ دینے پر آمادہ کیا۔

مرکزی اسمبلی انتخابات میں مسلم لیگ کو سو فیصدی کامیابی ہوئی تو ہر جگہ خوشی میں جلسے ہوتے۔ کلکتے میں بڑا عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں تقریباً دس لاکھ کا اجتماع ہوا۔ مجھے بھی ڈھاکے سے اس جلسے کے لئے بلایا گیا۔ خواجہ ناظم الدین مرحوم اور شہید سہروردی مرحوم نے تقریریں کیں۔ مجھے بھی اس جلسے سے خطاب کرنے کو کہا گیا۔

صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی سے انگریز اور کانگریس مطالبۂ پاکستان کو ماننے پر مجبور ہو گئے مگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر کانگریس اڑ گئی اور قائد اعظم نے اس کو منظور کر لیا۔

۹ رجون ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ ہائی کمان کا جلسہ دہلی میں منعقد ہوا، تاکہ اس طرح کا پاکستان منظور کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جائے اس اجلاس میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو اور مجھے

بھی بلایا گیا تھا۔ مولانا کے ساتھ مولانا محمد طاہر صاحب بھی تھے۔ جلسے میں مختلف انداز پر تقریریں ہوئیں۔ حسرت موہانی صاحب اس قسم کا پاکستان منظور کرنے کے حق میں نہ تھے مگر قائد اعظم نے فرمایا:-

"اگر تقسیم بنگال و پنجاب کو منظور نہ کیا گیا تو پاکستان نہیں بن سکے گا۔ میری رائے ہے کہ اس کو منظور کر لیا جائے۔"

سلہٹ اور سرحد کے بارے میں کانگریس کو ریفرنڈم پر اصرار تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی رائے علیحدہ معلوم کی جائے۔ قائد اعظم نے اس کو بھی منظور کیا۔

اس جلسے میں خاکسار جماعت نے کچھ گڑبڑ کرنا چاہی تھی مگر مسلم لیگ کے رضا کاروں نے ان کو جلسے میں آنے کا موقع نہ دیا۔

قرار دادِ پاکستان منظور ہو گئی تو ۱۱ر جون ۱۹۴۷ء کو مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور یہ ناچیز قائد اعظم سے ان کی کوٹھی پر ملے۔ اس وقت ان کے سیکریٹری کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

ہم نے سوال کیا کہ آپ ۱۴ر اگست کو پاکستان لینا چاہتے ہیں جس میں صرف ۲ مہینے باقی ہیں۔ دو مہینے میں تو ایک گاؤں بھی پوری طرح تقسیم نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کو آپ کیسے تقسیم کر لیں گے؟ ہمیں اندیشہ ہے کہ ۱۴ر اگست کو آپ کے ہاتھ میں صرف پاکستان کی دستاویز ہو گی، نہ خزانہ ہو گا، نہ فوج اور نہ اسلحہ۔ فرمایا:-

"لارڈ ماؤنٹ بیٹن بہت جلدی کر رہا ہے۔ ۱۴ اگست تک تقسیم کا کام مکمل ہو جائے گا۔"

ہم نے کہا :-

"پھر پاکستان بننے کے بعد ان مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا جو ہندوستان میں رہ جائیں گے؟ ہمارے خیال میں آپ دو ڈھائی سال تک دہلی نہ چھوڑیں تاکہ اس مدت میں پاکستان کی تقسیم مکمل ہو کر ہر چیز اپنے حصے کی آپ حکومت ہند سے وصول کر لیں اور ہندوستانی مسلمانوں کو بھی آپ کے قیام دہلی سے بڑی ڈھارس بندھے گی۔"

فرمایا :-

"جیسے ہندوستان میں مسلمان رہیں گے، پاکستان میں ہندو ہوں گے۔ ان کے خیال سے حکومتِ ہند مسلمانوں پر ظلم و تشدد روا نہ رکھے گی۔"

ہم نے کہا :-

"حکومتِ ہند جانتی ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی روایات کے پابند ہیں، وہ ان مسلمانوں کا بدلہ جو ہندوستان میں رہیں گے، پاکستانی ہندوؤں سے نہیں لیں گے۔"

فرمایا :-

"مجھے ان مسلمانوں پر کوئی اندیشہ نہیں جو ہندوستان میں رہ

جائیں گے"

اس کے بعد فرمانے لگے :-

"مجھے سلہٹ اور سرحد کے رفرنڈم کا بہت فکر ہے"

ہم نے کہا :-

"آپ چاہتے ہیں کہ اس رفرنڈم میں مسلم لیگ کامیاب ہو؟"

فرمایا :-

"میں کیسے نہ چاہوں گا؟ سرحد تو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور سلہٹ کا علاقہ پاکستان میں نہ آیا تو آسام کی بہت سی چیزوں سے پاکستان محروم رہ جائے گا (جیسے چائے، ناریل وغیرہ)"

ہم نے کہا :-

"پھر آپ اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی آئین ہو گا۔ ہم انشاء اللہ دونوں صوبوں کا دورہ کریں گے اور مسلم لیگ ہی کامیاب ہو گی، انشاء اللہ"

فرمایا :-

"جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی تو آئینِ اسلامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے"

ہم نے کہا :-

"ترکی میں بھی تو مسلمانوں کی اکثریت ہے مگر مصطفےٰ کمال پاشا نے اسلامی قانون جاری نہیں کیا۔ بعض لوگوں کو

مسلم لیگ سے بھی ایسا ہی خطرہ ہے۔ سرحد تک کا علاقہ بہت سخت ہے۔ وہاں کے علماء و عوام اس وقت تک مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیں گے جب تک نظامِ اسلامی جاری کرنے کا وعدہ نہ کیا جائے۔"

فرمایا:-

"آپ اپنی تقریروں میں میری طرف سے اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ میں ابھی اس قسم کی تحریر اس لئے نہیں دے سکتا کہ فتنہ پرور ہندو اس کا یہ مطلب بیان کریں گے کہ پاکستان میں ہندوؤں کو مسلمان بنایا جائے گا۔ پاکستان بن جائے اور جمہوری طریقے پر اسمبلی میں اکثریت و اقلیت دونوں کے نمائندے آجائیں تو اس کو پختگی کے ساتھ واضح کر دیا جائے گا کہ آئین تو اسلامی ہوگا مگر آئینِ اسلام میں ہر فرقے کو مذہبی آزادی ہوگی۔ میں نے قوم کو کبھی دھوکہ نہیں دیا، میری بات کا یقین کیجئے۔"

ہم نے شکریہ ادا کیا اور مصافحہ کر کے رخصت ہوتے اور طے پایا کہ سلہٹ ریفرنڈم کے لئے کام کروں گا اور سرحد ریفرنڈم کے لئے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دورہ کریں گے۔

چنانچہ میں نے اپنے احباب کو ڈھاکہ خطوط لکھے کہ سلہٹ جاکر کوشش کریں تاکہ مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ مگر سلہٹ میں

مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے شاگرد اور مرید بہت زیادہ تھے
مولانا ہر سال رمضان بھی وہاں گزارا کرتے تھے، اس لئے جمعیۃ علماء
ہند کا وہاں پورا تسلط تھا۔

احباب کے خطوط آئے کہ آپ کا پہنچنا ضروری ہے، زمین بہت
سخت ہے۔ ادھر ڈھاکہ یونیورسٹی میں نوابزادہ لیاقت علی خاں کا تار
پہنچا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کو بہت جلد سلہٹ بھیج دیا جائے۔ میں اس
وقت تھانہ بھون میں تھا۔ وہاں بھی تار پر تار آئے تو میں تھانہ بھون سے
ڈھاکے اور ڈھاکے سے سلہٹ پہنچا۔

اس وقت پولنگ میں صرف پانچ دن باقی تھے۔ اسی وقت شاہ
جلال رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بھی تھا، لاکھوں آدمی عرس میں آئے ہوئے
تھے، مسلم لیگ نے حضرت شاہ جلالؒ کی مسجد میں جلسے کا انتظام
کیا۔ ساٹھ ستر لاوڈ سپیکر لگائے تاکہ سارے مجمع کو آواز پہنچ جائے
عشاء کے بعد میں نے اول حضرت شاہ جلال کے مزار پر فاتحہ
خوانی کی پھر جلسے کا افتتاح ہوا۔

میں نے پاکستان کا دارالاسلام اور ہندوستان کا دارالحرب ہونا
دلائل سے ثابت کیا اور بتلایا کہ جس حصے کا دارالاسلام بنانا ممکن ہو اس کو
دارالاسلام بنانا مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ جو اشکال پیش کیا
جاتا ہے کہ سارے ہندوستان کو دارالاسلام بنانا چاہیئے، تھوڑے
حصے کو دارالاسلام بنانا بیکار ہے۔ یہ اس لئے غلط ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکۂ مکرمہ سے ہجرت فرما کر پہلے مدینۂ منورہ
کو دارالاسلام بنایا تھا، مکہ کو دارالحرب رہنے دیا کیونکہ مدینے کو دار
الاسلام بنانا آسان تھا۔ مکہ کو اس وقت دارالاسلام بنانا دشوار تھا،
بعد میں مکہ کو بھی دارالاسلام بنا دیا، جب وہاں ایسے حالات پیدا ہو گئے۔
اسی طرح ہم بھی پہلے اسی حصے کو دارالاسلام بنانا چاہتے ہیں جو
آسانی سے بن سکتا ہے، پھر باقی حصے کو بھی دیکھا جائیگا۔
اس تقریر کا عوام پر بہت اثر ہوا۔ علماء سے میں نے کہدیا کہ
عوام سے نہ الجھیئے۔ آپ کو جو اشکال و اعتراض ہو۔ اس کا جواب دینے
کو میں حاضر ہوں۔ اب علماء نے بھی عوام کو مسلم لیگ کی مخالفت پر
آمادہ کرنا چھوڑ دیا۔
اس کے بعد چند مقامات کا دورہ کیا جو سلہٹ کے ملحقات ہیں
تھے۔ اس دورے میں حضرت مولانا سہول صاحب عثمانی بھی میرے
ساتھ تھے۔ وہ خوش ہو کر فرمانے لگے:۔
"الحمد للہ، پاکستان کے بنانے میں عثمانیوں کا زیادہ ہاتھ
ہے: آپ بھی عثمانی ہیں۔ میں بھی عثمانی ہوں اور مولانا شبیر احمد
صاحب بھی عثمانی ہیں۔ بقیہ علماء عثمانیوں کی تائید میں ہیں"
میں نے کہا:۔
"دعا کیجئے کہ سلہٹ اور سرحد کا رفرنڈم پاکستان کے حق میں
ہو جائے"

فرمایا:-

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا"

میں پولنگ کے دن تک سلہٹ میں مقیم رہا جس دن پولنگ شروع ہوا، میں نماز فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر لیٹ گیا تو غنودگی کی حالت میں دیکھا کہ مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند دونوں پولنگ میں ساتھ ساتھ ہیں، کوئی اختلاف نہیں۔

ناشتے سے فارغ ہو پولنگ اسٹیشن پر گیا تو دیکھا کہ جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ کے جھنڈے ساتھ ساتھ ہیں اور لوگ نعرے لگا رہے ہیں

"جمعیۃ علماء، مسلم لیگ بھائی بھائی"

میں نے اللہ تعالے کا شکر ادا کیا کہ خواب سچا ہو گیا۔ شام کو پولنگ اسٹیشن سے مجھے اطلاع دی گئی کہ مسلم لیگ پچاس ہزار ووٹ سے جیت گئی۔ میں نے شکرانے کی نفلیں پڑھیں پھر ڈھاکے روانہ ہو گیا۔

اسکولوں، کالجوں اور مدرسہ عالیہ کے طلبہ نے ریل کے انجن کو پھولوں کے ہار پہنائے اور برابر:-

"پاکستان زندہ باد، مسلم لیگ جیت گئی، کانگریس ہار گئی"

"سلہٹ پاکستان کا ہے"

نعرے لگاتے ہوئے ڈھاکے پہنچ گئے۔ ڈھاکے میں بھی اسٹیشن پر بہت سے مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ لوگوں نے ہمیں ہار پہنانا چاہے۔ ہم نے ہاتھوں میں لے لئے۔

میں نے اس کامیابی پر نوابزادہ لیاقت علی خان کو مبارکباد دی ۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس مبارکباد کے آپ زیادہ مستحق ہیں ۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی کامیابی پر قائد اعظم کو مبارکباد دی ۔ انہوں نے بھی جواب میں یہی فرمایا :۔

"مولانا ، اس مبارکباد کے مستحق تو آپ ہی ہیں ۔ یہ ساری کامیابی علماء کی بدولت ہوئی ۔"

بحمداللہ اب پاکستان بننے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تھی چنانچہ ۱۴ ر اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷ ر رمضان ۱۳۶۶ھ کو پاکستان منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوا ۔ قائد اعظم نے کراچی میں اس نئی مملکت اسلامیہ کی پرچم کشائی کے لئے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو منتخب فرمایا اور ڈھاکے میں وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان خواجہ ناظم الدین مرحوم نے اس احقر کے ہاتھوں پرچم کشائی کرائی ۔

میں نے موقع کے مناسب اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ اور چند آیات اور تلاوت کیں ۔ تمام وزراء و عمائد مسلم لیگ اور عمائد شہر خاموش باادب سنتے رہے ۔ پھر بسم اللہ کر کے میں نے پرچم پاکستان لہرایا ۔ بعض حاضرین نے بندوقوں سے فائر کئے ۔ توپ خانے سے سلامی

کی توپیں چلیں۔ پھر وزراء نے اسمبلی ہال میں حلف اٹھایا۔ اس تقریب میں بھی بندہ مع جماعت علماء کے شریک تھا۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ لال باغ جامع مسجد میں احقر نے نماز جمعہ سے پہلے مختصر تقریر کی۔ خواجہ ناظم الدین بھی اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے اپنی تقریر میں حصول پاکستان کی نعمت پر شکر ادا کرنے کی ترغیب دی اور اس کا طریقہ بھی بتلایا کہ پاکستان جس غرض کے لئے حاصل کیا گیا ہے اس کو پورا کریں۔

پاکستان میں ارباب حکومت آئین و دستور اسلام نافذ کریں اور عوام نماز وغیرہ شعائر اسلام کی پابندی کریں۔ پاکستان کو شراب خانوں قحبہ خانوں، سود اور سٹے وغیرہ کی لعنت سے پاک کریں۔ اتفاق و اتحاد کے ساتھ پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کریں

فوج اور پولیس کو نماز روزے کا پابند بنائیں اور انہیں خدمت قوم و حفاظت دار الاسلام کے لئے جان توڑ کوشش کرنے کی ہدایت کریں۔ خفیہ پولیس مستحکم ہو۔ جس حکومت کے پاس مستحکم خفیہ پولیس نہ ہو وہ کمزور حکومت ہوگی۔

خواجہ ناظم الدین صاحب اس تقریر کو بڑے غور سے سنتے رہے اور بڑے متاثر ہوئے۔ قائد اعظم کے نام بھی میں نے اسی قسم کی ہدایات کا خط لکھا جو رسالہ "تعمیر پاکستان میں علماء کرام کا حصہ" (مولفہ منشی عبد الرحمٰن جہلک ملتان) میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۹۴۸ء میں قائداعظم مشرقی پاکستان کے دورے پر گئے تو ڈھاکے کے ہر جلسے میں مجھے بلایا گیا اور میری کرسی قائداعظم کے پاس ہوتی تھی۔ ایک موقع پر میں نے خاص ملاقات کے لئے وقت مانگا تو ۱۱ بجے دن کے مجھے وقت دیا گیا۔

چنانچہ میں اپنے سکرٹری مولانا دین محمد خان صاحب مفتی ڈھاکہ کے ساتھ گورنر ہاؤس گیا جہاں قائداعظم کا قیام تھا۔ اس وقت قائداعظم کمرے میں تنہا تھے۔ باہر برآمدے میں خواجہ ناظم الدین صاحب اور ایک فوجی افسر ٹہل رہے تھے۔ قائداعظم نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور فرمایا کہ:۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

میں نے کہا:۔

"کہ جون ۱۹۴۷ء میں اجلاس مسلم لیگ (دہلی) کے موقع پر ہم نے جو عرض کیا تھا کہ دو مہینے میں تو گاؤں بھی تقسیم نہیں ہوسکتا، پورا ہندوستان کیونکر تقسیم ہوگا؟ آپ دو سال تک دہلی میں قیام پذیر رہیں، پاکستان کا پورا حصہ وصول کر کے کراچی تشریف لے جائیں ورنہ خطرہ ہے کہ آپ کے ہاتھ میں پاکستان کی کاغذی دستاویز ہوگی اور کچھ نہ ہوگا۔

ہمارا خیال درست نکلا کہ پاکستان بنتے ہی ہندوستان میں مسلمانوں پر ظلم اور ان کا قتل عام شروع ہو گیا اور پاکستان کے پاس نہ فوج تھی نہ اسلحہ جو اس ظلم کا انتقام لیتا۔ ہم

نے پاکستان اس لئے نہیں بنایا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان
اس طرح ہندوؤں کے ظلم کا نشانہ بنتے رہیں۔ پھر آئینِ اسلام
بھی جاری ہو جاتا تو یہ ساری قربانیاں گوارا تھیں :
(مع) متاعِ جانِ جاناں، جان دینے پر بھی سستی ہے !
مگر اب تک آئینِ اسلام بھی جاری نہیں ہوا،
جس کا وعدہ ہم نے قوم سے کیا تھا اور اسی وعدہ کی بنا پر ہی
یوپی اور بہار وغیرہ کے مسلمانوں نے پاکستان کے لئے ووٹ
دیتے تھے ورنہ وہ جانتے تھے کہ پاکستان سے ان کو کچھ دنیوی
نفع نہ پہنچے گا، وہ ہندوستان ہی کے ماتحت رہیں گے، مگر
ان کو خوشی اس کی تھی کہ نئی اسلامی مملکت دنیا کے نقشے پر
نمودار ہوگی جس کا آئین اسلامی ہوگا۔"

فرمایا :-
"آپ کو جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکے ؟"
عرض کیا :-
"جی ہاں، مجھے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا "
فرمایا :-
" بات یہ ہے کہ مجھے یہ تو خطرہ ضرور تھا کہ پاکستان بننے کے
بعد ہندوستان میں کچھ نہ کچھ فساد ہوگا مگر خیال یہ تھا کہ وہ ایسا ہو
گا جیسا اکثر بقر عید کے موقع پر ہوا کرتا ہے جس میں مسلمان

کبھی مغلوب نہیں ہوتے ۔ یہ مجھے بالکل امید نہ تھی کہ ہندوستانی حاکموں کو باؤلا کتا کاٹ جائے گا کہ وہ بھی بلوائیوں کا ساتھ دیں گے ، فوج بھی مسلمانوں کو نہ بچائے گی اور یہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن انگریز ہو کر اس طرح آنکھیں بند کر کے تماشا دیکھتا رہے گا گویا کچھ ہوا ہی نہیں !

اس وقت پاکستان کے حصے کی فوج پاکستان میں نہ تھی ، باہر تھی ، اس لئے میرے پاس اس کے سوا اور کوئی صورت امداد کی نہ تھی کہ دُوَلِ یورپ سے احتجاج کیا تو خدا خدا کر کے یہ قتل عام بند ہوا ۔ مگر آپ دیکھیں گے کہ ہندو ظالموں سے اس ظلم کا انتقام لیا جائے گا ، ذرا پاکستان مضبوط ہو جائے ، اور اس کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے (اس وقت کشمیر میں جنگ ہو رہی تھی جس میں ہندو اور سکھ بہت مارے گئے تھے ۔ اس کی طرف اشارہ تھا)

ہندوستانی حکومت نے مسلمانوں کا قتل عام کر کے ایک کروڑ کے قریب مسلمانوں کو پاکستان کی طرف دھکیل دیا تاکہ پاکستان کی معیشت پر بار پڑے اور سرمایہ دار ہندوؤں کو یہاں سے بلا لیا تاکہ پاکستان کی اقتصادی قوت مفلوج ہو جائے ، مگر اللہ تعالٰی کا فضل شامل حال رہا کہ پاکستان ان مصائب سے دوچار ہو کر کمزور نہیں ہوا بلکہ

مضبوط تر ہو گیا۔

آئینِ اسلامی کے جاری ہونے میں بھی اس لئے دیر ہوئی کہ پاکستان بنتے ہی ان مسلمانوں کی آبادکاری پر توجہ زیادہ دینی پڑی جو ہندوستان سے یہاں آرہے تھے۔ اب ذرا اس طرف سے اطمینان ہوا ہے تو انشاء اللہ بہت جلد آئینِ پاکستان، اسلامی آئین کی صورت میں مکمل ہو جائے گا۔

قائداعظم کی عمر نے وفا نہ کی کہ وہ اپنے سامنے اسلامی آئین پیش کر دیتے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو پاکستان کا آئین اسلامی ہوتا کیونکہ وہ اپنی تقاریر میں بارہا اس کی وضاحت فرما چکے تھے۔

قائداعظم کی اچانک وفات سے پاکستان کے ایک انتہائی قلیل مگر بااختیار طبقے نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اسلام کے اصولوں کو اس زمانے میں ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے پاکستان کو لادینی ریاست (سیکولر اسٹیٹ) بنانے پر زور دیا۔

یہ دستوری کشمکش اس وقت کم ہوئی جب مارچ ۱۹۴۹ء میں وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے دستور ساز اسمبلی سے قراردادِ مقاصد منظور کرا کے اس بحث کو ختم کر دیا۔

اس قرارداد کے مطابق پاکستان میں اسلامی دستور کا نفاذ آئینی طور پر طے ہو گیا۔ قراردادِ مقاصد کے منظور کرانے میں حضرت مولانا

شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی سعیِ بلیغ کو بہت بڑا دخل تھا۔

حضرت مرحوم نے اس کے لئے فروری ۴۹ء میں مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ ڈھاکہ، میمن سنگھ، چاٹگام وغیرہ میں بڑے بڑے جلسے ہوئے جن میں لاکھوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ ان میں طے کیا گیا کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا، غیر اسلامی آئین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

اس دورے کے بعد جب مولانا کراچی واپس آئے اور دستور ساز اسمبلی کا اجلاس مارچ ۴۹ء میں ہوا تو قراردادِ مقاصد منظور کر لی گئی۔ مولانا کا مکتوب میرے نام ڈھاکے آیا، اس میں تصریح تھی کہ قراردادِ مقاصد کے پاس کرانے میں مشرقی پاکستان کے جلسوں کی قراردادوں کا بڑا اثر ہوا ہے۔

اس موقع پر حضرت مولانا نے اسمبلی میں جو تقریر فرمائی، وہ بھی بے نظیر تھی۔ اس کا بھی بہت اثر ہوا۔

قراردادِ مقاصد کے پاس ہونے سے تمام عالم اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ تعالےٰ پاکستان اسمبلی کو اس پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

۱۹۴۸ء میں میرا تعلق مدرسہ عالیہ (ڈھاکہ) سے ہوگیا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی سے علیحدگی اختیار کر لی۔

اگست ۱۹۴۹ء مطابق شوال ۱۳۶۸ھ میں حکومتِ پاکستان نے حکومتِ سعودیہ عربیہ کی طرف وفد خیر سگالی بھیجنا چاہا جس میں حضرت

"

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا نام بھی طے ہوا تھا مگر مولانا پر فالج کا دورہ پڑ گیا تو ان کی جگہ مجھے اس وفد میں شامل کیا گیا۔

اس وفد کے کارناموں کی پوری تفصیل ماہنامہ "ندائے حرم" (کراچی) میں بصورت سفرنامہ حجاز (حصہ دوم) قسط وار شائع ہو چکی ہے۔ ابھی تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی۔

اس سفر میں سلطان عبدالعزیز بن سعود مرحوم سے بار بار ملاقات ہوئی۔ مرحوم نے پاکستان کے قیام پر بڑی خوشی ظاہر کی۔ موجودہ سلطان امیر فیصل سے بھی ملاقات ہوئی۔ وزیر مالیات عبداللہ بن سلیمان، شیخ الاسلام اور دیگر علمائے کرام سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔

مکہ معظمہ میں علامہ سید علوی مالکی سے مل کر میں بہت متاثر ہوا جوان عالم ہیں مگر علوم شرعیہ میں بڑی دستگاہ ہے۔ ان سے اکثر مسائل میں گفتگو رہتی تھی۔ ان کو مجھ سے محبت ہو گئی اور مجھے ان سے الفت، حرم مکی میں حدیث کا درس دیتے ہیں اور بڑی اچھی عربی بولتے ہیں بہت سی گراں مایہ تصانیف کے مصنف ہیں۔

اسی سال حکومت ہند نے بھی اپنا ایک وفد خیرسگالی سعودی عرب کی طرف بھیجا تھا مگر اس کی وہاں پذیرائی نہیں ہوئی جب کہ وفد پاکستان کو ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور تمام عالم اسلام کے علماء و عمائد نے اس سے ملاقاتیں کیں اور پاکستان کے قیام پر بہت خوشی ظاہر کی (تفصیل میرے سفرنامۂ حجاز میں ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے)

سفرِ حجاز سے واپس ہوا تو میری اہلیہ ہندوستان سے اس حال میں واپس ہوئیں کہ ان کو روزانہ بخار آتا تھا جو بعد میں تپ دق ثابت ہوا۔ بہت کچھ علاج معالجہ ہوا مگر صحت نہ ہوئی۔ محرم ۱۳۷۰ھ (۱۹۵۰ء) میں ان کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یغفر اللہ لنا ولہا ویرحمنا وایاہا ویدخلنا وایاہا الجنۃ۔ آمین!

میں اس وقت مدرسہ عالیہ (ڈھاکہ) میں مدرس اول تھا اور اپنی تقاریر میں دستورِ اسلامی کے جلد نافذ کئے جانے کی حکومتِ پاکستان کو تاکید کر رہا تھا۔

وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ایک دستور پیش کیا تھا جس کو ملت پاکستان نے تسلیم نہ کیا تو انہوں نے ایک تقریر میں فرمایا:

"کہ علماء ہمارے پیش کردہ دستور کو تو رد کر سکتے ہیں، خود کوئی دستور بنا کر پیش نہیں کر سکتے!"

اس پر مولانا احتشام الحق صاحب نے ہر مکتب خیال کے علماء کا ایک اجتماع کراچی میں طلب کیا اور ۳۳ علماء کے دستخط سے بائیس ۲۲ نکاتی دستور بالاتفاق پاس کرا کے حکومت کو بھیج دیا کہ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ایک جلسہ عام سے خطاب کرنے کے لئے اٹھتے ہی گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔

اس واقعہ کو ملت پاکستان کے خلاف ایک خطرناک سازش قرار دیا جاتا ہے۔ میں اس وقت ڈھاکہ ہی میں تھا۔ اس موقع پر جو اجتماع ڈھاکے میں ہوا جس میں اس اندوہناک واقعے پر سخت رنج وغم کا اظہار کیا گیا تھا، بندہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ :۔

دشمن یہ نہ سمجھے کہ لیاقت علی خان کو قتل کر کے وہ اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ یاد رکھے کہ لیاقت علی خاں کے ہر قطرۂ خون کے بدلے صدہا لیاقت علی پیدا ہو جائیں گے اور پاکستان انشاء اللہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گا۔"

لیاقت علی خاں مرحوم کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین کے وزیر اعظم اور ملک غلام محمد گورنر جنرل بنا دیئے گئے۔

سنہ ۱۹۵۲ء میں ملک غلام محمد صاحب ڈھاکے تشریف لاتے تو میں نے ایک جماعتِ علماء کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور دستورِ اسلامی جلد سے جلد جاری کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ یہ کام جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا، کوشش جاری ہے۔

اسی سال ملتِ پاکستان نے مطالبہ کیا کہ ظفر اللہ خاں قادیانی کو پاکستان کی وزارتِ خارجہ سے علیحدہ کیا جائے اور قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ علماء اسلام

کے متفقہ فتوے سے یہ فرقہ مرتد مانا گیا ہے، اس کو مسلمان قرار دینا صحیح نہیں۔ یہ لوگ خود بھی اپنے کو مسلمانوں سے الگ ایک جماعت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ قائد اعظم کی نمازِ جنازہ میں ظفر اللہ خاں شریک نہیں ہوئے۔

اس تحریک نے زور پکڑا یہاں تک کہ ایک وفد علماء و عمائد کا خواجہ ناظم الدین صاحب سے ملا۔ پھر ایک اجتماع خصوصی، حضراتِ علمائے کا ہوا جس میں پندرہ علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی کہ اگر حکومت نے ایک مہینے کے اندر اندر یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو اس کے خلاف راست اقدام کیا جائے گا۔

جس کا فیصلہ اس کمیٹی کے مشورہ سے ہوگا۔ کمیٹی میں مشرقی پاکستان سے چار پانچ علماء کو لیا گیا تھا جس میں ایک میرا نام تھا اور مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری مہتمم جامعہ قرآنیہ ڈھاکہ، مولانا دین محمد خاں صاحب مفتیٔ ڈھاکہ، مولانا اطہر علی صاحب مہتمم جامعۂ امدادیہ کشورگنج، اور پیر سرسینہ کا نام تھا، بقیہ حضرات مغربی پاکستان کے تھے، مگر لاہور میں قرارکانِ کمیٹی نے جمع ہو کر راست اقدام کا فیصلہ کر لیا، مشرقی پاکستان کے علماء سے رائے نہیں لی گئی۔ اگرچہ ہم نے اس فیصلے کو تسلیم کر لیا اور کوئی مخالفت نہیں کی مگر یہ ضرور ہے کہ ہم نے مشرقی پاکستان میں راست اقدام شروع نہیں کیا۔

اس وقت مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ نور الامین صاحب تھے
ان کا پیغام میرے پاس پہنچا کہ قادیانیوں کے بارے میں جو فتوٰی علماء
کا ہے، آپ اس کو مسلمانوں کے اجتماعات میں بیان کر سکتے ہیں
جو بات حق ہو، اس کے بیان سے آپ کو روکا نہیں جا سکتا مگر مغربی
پاکستان کی طرح یہاں راست اقدام مناسب نہیں۔ میں نے کہا:۔

"بس میں اتنا ہی چاہتا ہوں۔ یہاں راست اقدام کرنا ہمارا
مقصود نہیں"

اسی زمانے میں لاہور سے جتھے پر جتھے کراچی کو روانہ ہو رہے تھے
بعض حضرات نے لاہور میں ایک متوازی حکومت بھی بنا لی تھی۔
اس خلفشار کو روکنے کے لئے فوج طلب کر لی گئی اور مارشل لاء
لگا دیا گیا، مسلمانوں کا بہت خون ہوا اور بہت سے لوگ جیل خانوں
میں بند کر دئے گئے۔

مولانا مودودی بھی گرفتار کئے گئے اور فوجی عدالت نے ان کے
لئے پھانسی کی سزا تجویز کر دی۔

میں نے جامع مسجد چوک بازار (ڈھاکہ) میں عشا کے بعد جلسہ
طلب کیا اور فوجی عدالت کے اس حکم پر کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ:۔

"غالباً فوجی عدالت کا بڑا افسر قادیانی ہے، اسی لئے اس
نے مولانا مودودی کا رسالہ "قادیانی مسئلہ" ضبط کرنے کا
حکم دیا ہے اور ان کے لئے پھانسی کی سزا تجویز کی ہے۔

مگر اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس مسئلے میں سارا عالم اسلام متفق ہے۔ اگر اِس بنا پر مولانا مودودی کو پھانسی دی جاتی ہے تو ہم سب پھانسی پانے کو تیار ہیں۔"

پھر خواجہ ناظم الدین صاحب کو اسی قسم کا لمبا تار دیا گیا۔ جلسے کے بعد معلوم ہوا کہ محمد علی صاحب بوگرا (جو اس وقت غالباً وزیر خارجہ تھے) اپنے گھر سے کراچی جانے کے لئے ڈھاکے آئے ہوئے ہیں۔ ہم نے طے کیا کہ صبح ہی ان سے ملاقات کریں گے۔

چنانچہ صبح کی نماز کے بعد ہم ان سے ملنے گئے۔ موصوف بڑے تپاک سے ملے اور ملاقات کی غرض معلوم کی۔ میں نے کہا کہ "حکومت پاکستان ایک طرف تو یہ دعوٰے کرتی ہے کہ وہ نظامِ اسلام قائم کرنا چاہتی ہے اور دوسری طرف اس کا عمل یہ ہے کہ نظامِ اسلام کے لئے کوشش کرنے والوں کو پھانسی دینا چاہتی ہے۔"

کہنے لگے:۔

"کس کو پھانسی دینا چاہتی ہے؟"

میں نے کہا:۔

"آپ کو خبر نہیں کہ مولانا مودودی کے لئے فوجی عدالت نے پھانسی کی سزا تجویز کی ہے؟"

کہنے لگے:۔

"مجھے بالکل خبر نہیں۔ میں آج ہی کراچی جا رہا ہوں اور

جاتے ہی اس فیصلے کی منسوخی کے لئے پوری کوشش کروں گا۔"

ہم نے شکریہ ادا کیا۔ اگلے ہی دن خبر آگئی کہ پھانسی کی سزا کو چودہ سال کی قید میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

میں نے اس پر بھی جلسۂ عام میں کڑی تنقید کی کہ:۔

"مولانا مودودی بڑھاپے کی حد میں آچکے ہیں، ان کے لئے چودہ سال کی قید کے معنے یہ ہیں کہ وہ جیل ہی میں مر جائیں گے! یہ پھانسی ہی کی دوسری شکل ہے۔"

اللہ نے کیا، یہ سزا بھی کم ہو گئی اور دو تین سال کے بعد مولانا رہا ہو گئے۔

لیاقت علی خاں مرحوم نے قرار دادِ مقاصد منظور کرانے کے بعد قومی اسمبلی کے ذریعے آئین کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی "تشکیل کرائی تھی۔ اس کمیٹی کا کام یہ تھا کہ وہ پاکستان کے دستور کا خاکہ تیار کرے۔

۱۹۵۲ء میں بعض ترمیموں کے ساتھ اس کمیٹی کی دوسری رپورٹ خواجہ ناظم الدین صاحب نے پیش کی جس پر غور کرنے کے لئے مولانا احتشام الحق صاحب نے ہر مکتبِ خیال کے علماء کو دوبارہ کراچی میں جمع کیا۔

جس میں یہ احقر بھی شریک تھا اور مولانا مودودی، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا محمد حسن صاحب امرتسری (ثم لاہوری)

اور مولانا داؤد غزنوی بھی موجود تھے۔

قریب تھا کہ یہ دستور اسمبلی میں پاس ہو جائے کہ ۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء کو دستوری روایات کے خلاف خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کو ملک غلام محمد (گورنر جنرل) نے برطرف کر دیا جب کہ مجلس قانون ساز کی اکثریت خواجہ صاحب کے حق میں تھی مگر مسئلہ قادیانی میں ان کی نازیبا روش کی وجہ سے پبلک ان کے خلاف تھی۔

اس بات کو گورنر جنرل نے بھانپ لیا اور موقع مناسب دیکھ کر خواجہ صاحب کو اور ان کی کابینہ کو برطرف کر دیا۔

اگر خواجہ صاحب نے مجلس ختم نبوت کا مطالبہ منظور کر کے ظفر اللہ خاں کو وزارت سے الگ کر دیا ہوتا تو گورنر جنرل کا دستوری روایات کے خلاف یہ طرزِ عمل ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔

میرا اپنا خیال یہی ہے اور جس وقت خواجہ صاحب نے اپنے کو گورنر جنرل کے عہدے سے اتار کر وزارت عظمیٰ کا عہدہ قبول کیا تھا اس وقت بھی میں نے اپنے دوستوں سے کہہ دیا تھا کہ خواجہ صاحب نے اچھا نہیں کیا، ان کے لئے گورنر جنرل کا عہدہ ہی مناسب تھا۔

اس طرح خواجہ ناظم الدین مرحوم کے دور میں آئین تیار ہوا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اب گورنر جنرل نے محمد علی صاحب بوگرا کو نیا وزیر اعظم نامزد کیا۔

اسی زمانے میں مسلم لیگ اور عوامی لیگ کا مقابلہ مشرقی پاکستان

ہوا جس میں عوامی لیگ غالب ہوگئی۔

میں نے یہ صورتِ حال دیکھ کر مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان آنے کی نیت کرلی کیونکہ جون ۱۹۵۴ء میں مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے ریٹائر ہوچکا تھا۔

اگرچہ موجودہ پرنسپل نے مجھ سے کہا بھی کہ آپ بدستور اپنے کام پر آجائیں، آپ کی میعاد میں توسیع کرادی جائے گی، مگر عوامی لیگ کی کامیابی اور مسلم لیگ کی ناکامی سے مشرقی پاکستان سے دل برداشتہ کردیا تھا۔ اس لئے میں نے توسیع کو گوارا نہ کیا۔

وزیر تعلیم مشرقی پاکستان نے بھی مدرسۂ عالیہ سے میرے الگ ہو جانے پر افسوس ظاہر کیا۔ اگر میں چاہتا تو یہ جگہ میرے لئے مدت تک برقرار رہ سکتی تھی مگر اب مغربی پاکستان ہی کی طرف دل کی کشش ہورہی تھی۔

پہلے حج کا ارادہ کیا۔ مولانا مفتی دین محمد صاحب، مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری اور چند علماء ڈھاکہ اس حج میں میرے ساتھ تھے۔ حج سے فارغ ہوکر ڈھاکے واپس آیا ہی تھا کہ اکتوبر ۱۹۵۴ء میں مولانا احتشام الحق صاحب ہوائی جہاز سے مجھے دارالعلوم ٹنڈو الہ یار کے عہدۂ شیخ الحدیث پر بلانے کے لئے تشریف لائے۔ میں نے وعدہ کرلیا اور سامان کرکے اواخر اکتوبر ۵۴ء میں کراچی ہوتا ہوا ٹنڈو الہ یار پہنچ گیا اور اب تک اسی دارالعلوم میں قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

دارالعلوم کی خدمت کو قبول فرمائیں

میرے اعزہ واحباب کا خیال ہے کہ میں نے دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار میں قیام کر کے اپنے کو گوشۂ گمنامی میں ڈال دیا، کراچی یا لاہور میں قیام ہوتا تو مغربی پاکستان میں بھی میرا وہی مقام ہوتا جو مشرقی پاکستان میں تھا۔

ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ زندگی کے آخری ایام میں سکونِ قلب اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے اور یہ بات قصبات ہی میں حاصل ہوتی ہے، شہروں میں نہیں۔ اس لئے میں اپنی اس گمنامی پر خوش ہوں۔

تمنا یہ ہے کہ زندگی کے آخری ایام اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزر جائیں اور مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع الغرقد میں دفن ہونا نصیب ہو جائے

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

بحمد اللہ میں اس گمنامی میں بھی خدمتِ پاکستان سے غافل نہیں ہوں۔ صدرِ پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب کو برابر خطوط سے نیک مشورہ دیتا رہتا ہوں۔ عمل کرنا نہ کرنا ان کا کام ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ وہ میرے خطوط پر توجہ فرماتے اور بعض دفعہ شکریہ سے یاد بھی فرماتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ حکومتِ پاکستان کو صحیح معنٰے میں اسلامی حکومت بنا دے۔ یہاں قانون اسلام اصلی صورت میں نافذ ہو جائے تو ساری مشکلات خود بخود حل ہو جائیں گی۔ حق تعالےٰ کا اٹل وعدہ

ہے:-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

ترجمہ:- اگر بستیوں والے ایمان اور تقویٰ پر گامزن ہوں تو ہم ان کے لئے آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیں گے۔

ہم نے کسی قدر جذبۂ ایمانی سے کام لیا تھا تو حق تعالےٰ نے ہماری کیسی مدد فرمائی کہ ہمیں اپنے سے چھ گنی طاقت پر غلبہ عطا فرما دیا۔

اگر ہم پوری طرح ایمانی جذبے اور تقوےٰ کو اپنا شعار بنالیں، پھر کیا کچھ ہوگا، اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالےٰ سب مسلمانوں کو اپنے دین کا شیدا بنائیں اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالامال فرمائیں، آمین۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

مطابق

۵ر ستمبر ۱۹۶۶ء

بمقام: ٹنڈو اللہ یار

(اشرف آباد ضلع حیدرآباد)

تتمہ

اب آپ کے بقیہ سوالات کا جواب عرض ہے :۔

۶۔ زمانۂ تعلیم سات سال کی عمر سے اٹھارہ سال کی عمر تک۔ انیس سال کی عمر میں مدرس بنا دیا گیا۔

۷۔ دار العلوم دیوبند، امداد العلوم تھانہ بھون، جامع العلوم کانپور اور مظاہر علوم سہارنپور۔

۸۔ طالب علمی کے قابلِ ذکر واقعات مفصل مضمون میں آچکے ہیں۔ ایک واقعہ رہ گیا جو درج ذیل ہے :۔

۱۳۲۵ھ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کانپور تشریف لائے تو آپ کو معلوم ہوا کہ ملکانہ راجپوتوں کو جو نواحِ کانپور میں آباد ہیں، آریہ سماج ہندو بنانا چاہتے ہیں۔ حضرت نے جمعے کے بعد وعظ میں مسلمانوں کو تبلیغ کی تحریک کی اور فرمایا :۔

"میرا ارادہ ہے کہ ان دیہات کا دورہ کروں"۔

بعض رؤساء نے سامانِ سفر کا انتظام کیا۔ بیل گاڑیاں، خیمے اور کھانے پینے کا سامان ساتھ لے کر حضرت حکیم الامتؒ کے ساتھ ہوئے۔

اس سفرِ تبلیغ میں مولانا عبد القادر آزاد سبحانی، میرے بڑے بھائی مولانا سعید احمد تھانوی مرحوم اور اساتذۂ جامع العلوم کانپور بھی ہمراہ تھے اور یہ ناچیز بھی تھا۔

دورہ ہوا اور جلسے ہوئے جس سے بحمد اللہ ارتداد کی بلا رک گئی ملکانے اسلام پر مضبوط ہو گئے۔

۹۔ اساتذہ (ناموں کی ترتیب اپنی تعلیم کی ترتیب پر ہے):۔

۱۔ حافظ امداد صاحب
۲۔ حافظ غلام رسول صاحب
۳۔ حافظ عبداللطیف صاحب نابینا
۴۔ مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی
۵۔ منشی منظور احمد صاحب دیوبندی
۶۔ مولوی نذیر احمد صاحب دیوبندی
۷۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب گنگوہی
۸۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ
۹۔ برادرم مولانا سعید احمد صاحب مرحوم
۱۰۔ مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی ؒ
۱۱۔ مولانا محمد رشید صاحب کانپوری
۱۲۔ مولانا مقبول حسین صاحب فتحپوری
۱۳۔ مولانا محمد انعام اللہ صاحب کانپوری
۱۴۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی قدس سرہٗ
۱۵۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی
۱۶۔ مولانا عبداللطیف صاحب قاضی پوری (ناظم مظاہر علوم سہارنپور)

۱۷۔ مولانا عبد القادر صاحب پنجابی

۱۸۔ قاری عبد اللہ صاحب مکی رح

۱۹۔ قاری محمد صدیق صاحب خراسانی

۲۰۔ قاری عبد العزیز صاحب بہاری مرحوم

(۱۰) سند حدیث مندرجہ ذیل علمائے کرام سے حاصل کی :۔

۱۔ حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی رح

۲۔ حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رح

۳۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبھٹوی رح

۴۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی

۵۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رح

(۱۱،۱۲) اساتذۂ کرام جن سے سندِ حدیث حاصل کی ہے، ان سے ہی زیادہ متاثر ہوا ہوں۔ ان کے علاوہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی سے بھی متاثر ہوا ہوں اور مولانا سید علوی مالکی مکی سے بھی اور علامہ محمد زاہد الکوثری مصری اور علامہ سالم عطیہ استاذ جامعہ سعودیہ مدینہ منورہ سے بھی۔

اگرچہ اخیر کے دو حضرات سے ملاقات نہیں ہوئی مگر غائبانہ ہی ان کے فضل و کمال سے متاثر ہوا ہوں۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی علم تاریخ اور عربی ادب کے ماہر تھے۔ میں اکثر اپنے اشعار عربیہ ان کے ملاحظے کے لئے بھیجتا

علامہ محمد زاہد الکوثری اور علامہ سالم عطیہ نے اعلاء السنن اور مقدمۃ اعلاء السنن پر بہت گراں مایہ تقریظیں لکھی ہیں جو ان کے کمال علم و فضل کی شاہد ہیں۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی علم حدیث میں کمال کے ساتھ عربی ادب میں بھی کامل تھے۔ ان کا ایک شعر مجھے یاد ہے جو انہوں نے اپنی پہلی بیوی کے مرثیہ میں لکھا تھا ؎

راحوا بہا یوم الخمیس فلم ازل
قلق الفؤاد بکل یوم خمیس

میں نے اس شعر کو اپنی پہلی بیوی کے مرثیہ میں شامل کر کے اس کو پورا کر دیا ہے۔

مولانا خلیل احمد صاحبؒ نسبت صحابہ اور کمال اتباع سنت کے ساتھ علم فقہ میں بڑے کامل تھے۔

حضرت حکیم الامتؒ کو علم تصوف اور تفسیر میں کمال حاصل تھا۔ تربیۃ السالک و اصلاح معاشرت حضرت کا بڑا کارنامہ ہے وہ اپنے زمانے کے مجدد تھے۔

(۱۳) تدریسی زندگی اختیار کرنے کا سبب یہ تھا کہ بغیر تدریس کے علم مستحکم نہیں ہوتا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی کو بھی چاہیئے کہ عہدۂ قضا کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھے تاکہ علم پختہ ہو جائے۔

۱۴۔ اکثر واقعات گزر چکے۔ ایک قابلِ ذکر واقعہ رہ گیا، وہ یہ کہ :۔

ایک سال مرزا بشیر احمد قادیانی سہارنپور آئے اور مدرسہ مظاہر علوم کا معاینہ کیا۔ مہتمم صاحب ان سے واقف نہ تھے اس لئے پورے احترام واکرام کے ساتھ ان کو مدرسے کا معاینہ کرایا۔ کتب خانہ دکھلایا اور چائے پلائی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو قادیانی تھے۔ بڑا افسوس ہوا کہ ہم نے مرتدین کا بے جا احترام کیا۔

چنانچہ میں اپنے چند احباب کے ساتھ مرزا بشیر احمد کی قیام گاہ پر پہنچا۔ وہ تو اس وقت سو رہے تھے، مولوی غلام سرور قادیانی بیدار تھے، ان سے ملاقات ہوئی اور ہم نے اپنے آنے کی غرض بتلائی کہ :۔

"ہم ختم نبوت کے مسئلے پر آپ سے گفتگو (مناظرہ) کرنا چاہتے ہیں"

کہنے لگے :۔

"مرزا صاحب تو اس وقت سو رہے ہیں"

میں نے کہا کہ :۔

"وہ جس وقت بیدار ہوں، ان کو ہمارا پیام پہنچا دیں اور وہ جو وقت مقرر کریں، مدرسہ مظاہر علوم میں ہمیں اس کی خبر بھیج دی جائے"

اس گفتگو کے درمیان بشیر صاحب بھی بیدار ہو گئے۔ ہم نے ان

سے بھی یہی کہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ :-

"اُس وقت ہم مناظرے وغیرہ کی نیت سے نہیں آئے تھے"

ہم نے کہا کہ :-

"نیت کرنا کیا مشکل ہے ، اب کر لی جائے"

مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے تو ہماری جماعت نعرۂ تکبیر کے ساتھ "مسئلہ ختم نبوت زندہ باد" ، "منکر ختم نبوت مردہ باد" کہتے ہوئے واپس آگئی۔

اس کے بعد مجھے مدرسے کی ایک ضرورت سے کوہ مسوری پر جانا ہوا۔ وہاں سہارنپور کے ایک تاجر کی بڑی دکان تھی۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے ایک وقت کھانے پر مدعو کیا۔ مجھے خبر نہ تھی کہ یہ قادیانی ہو گیا ہے۔ اس لئے انکار نہ کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ قادیانی ہو گیا ہے۔

کھانے کے وقت ان کے مکان پر پہنچ گئے۔ کھانے میں دیر تھی، اس لئے گفتگو شروع ہوئی۔

کہنے لگے :-

"مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟ وہ اپنے آپ کو مسیح موعود کہتے ہیں"

میں نے کہا :-

"وہ غلط کہتے ہیں ، مسیح موعود آسمان سے نازل ہوں گے

وہ بطن مریم علیہا السلام سے پیدا ہوئے تھے اور آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں ۔ مرزا غلام احمد مسیح موعود کیسے ہو سکتے ہیں؟"
کہنے لگے کہ :۔
"عیسٰی علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہیں، آسمان پر نہیں ہیں اور جس مسیح کے ظہور کا وعدہ حدیثوں میں آیا ہے وہ مثیلِ مسیح ہوگا"
میں نے کہا :۔
"یہ تاویل غلط ہے کیونکہ عیسٰی علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا قرآن سے بھی ثابت ہے اور احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے، امت کا اس پر اجماع ہے ۔ اس لئے اس کے خلاف جو تاویل ہوگی، رد کی جائے گی"
دیر تک گفتگو ہوتی رہی جس پر وہ لاجواب ہوئے اور ہم بغیر کھانا کھائے وہاں سے واپس آگئے ۔

۱۵۔ مجھے علم حدیث سے زیادہ دلچسپی ہے ۔ اس کے بعد عربی ادب سے
۱۶۔ **علمی خدمات :** مظاہر علوم سہارنپور، امداد العلوم تھانہ بھون مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ ، مدرسہ راندیریہ رنگون، مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ، ڈھاکہ یونیورسٹی ، مدرسہ عالیہ ڈھاکہ، جامعۂ قرآنیہ ڈھاکہ اور اب دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں درس حدیث دے رہا ہوں اور احکام القرآن کی تالیف میں مشغول ہوں ۔

۱۔ سب سے بڑی علمی تصنیف (مقدمۂ اعلاء السنن اور اعلاء السنن) ہے جو تقریباً بیس جلدوں میں پوری ہوئی ہے۔ اس کا تذکرہ مفصل مضمون میں گزر چکا ہے۔

۲۔ **تلخیص البیان:** جس میں تفسیر بیان القرآن مؤلفہ حکیم الامت رحؒ کا خلاصہ کیا گیا ہے۔ حمائل کے حاشیہ پر طبع ہو چکی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اس کو بہت پسند فرمایا۔ کاش دوبارہ عمدہ خط میں طبع ہو جائے۔ (پہلی طباعت اچھی نہیں ہوئی)

۳۔ **الدرّ المنضود ترجمۃ البحر المورود:** مصنفۂ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحؒ (مصری) تصوف میں ہے۔ حصہ اوّل مستقل طبع ہوا، بقیہ حصے رسالہ "النور" میں شائع ہوئے۔

۴۔ **ولادت محمدیہ کا راز:** تاریخ اسلام میں ہے۔ یہ کتاب قسطوار رسالہ **النور** (تھانہ بھون) میں شائع ہوئی ہے۔ مستقل نہیں

۵۔ **رحمۃ القدوس ترجمۃ بہجۃ النفوس:** مصنفۂ علامہ ابن ابی جمرہ مالکی رحؒ۔ اس میں مصنف نے احادیث سے مسائل تصوّف کا استنباط کیا ہے۔ حضرت حکیم الامت کے ارشاد سے ترجمہ کیا گیا۔ دو حصوں میں طبع ہو گیا ہے۔

۶۔ **القولُ المنصُور فی ابن منصُور:** حسین بن منصور حلاج کے حالات میں ہے یہ بھی حضرت حکیم الامت رحؒ کی خواہش سے لکھا گیا۔ طبع ہو گیا ہے۔ اس کی تکمیل پر حضرت نے ایک قیمتی

مصلّٰی عطا فرمایا۔

۷۔ **البنیانُ المشیّدۃ ترجمۃ البرہانُ المؤیّد**: یہ حضرت قطب زمان مولانا سیّد احمد کبیر رفاعیؒ کے مواعظ کا ترجمہ ہے جس میں عقائد واعمال اور تصوف سب ہی کا بیان ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور بڑی عمدہ تقریظ تحریر فرمائی اور اہل سلسلہ کو اس کے مطالعے کی تاکید بھی فرمائی۔ طبع ہو چکا ہے۔

۸۔ **اسبابُ المحمودیۃ ترجمہ آدابُ العبودیۃ**: علامہ شعرانیؒ (مصری) کے عربی رسالے کا ترجمہ ہے۔ رسالہ النور (تھانہ بھون) میں قسط وار شائع ہوا۔

۹۔ **انجاد الوطن عن الازدراء بامام الزمن**: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے جس میں امام صاحب کا فقیہ اعظم ہونے کے ساتھ محدث اعظم ہونا بھی ثابت کیا گیا ہے (زیر طبع)

۱۰۔ **الشفاء**: اس میں ان شبہات کا جواب ہے جو قرآن پر کئے جاتے ہیں۔ یہ جوابات اکثر تفسیر بیان القرآن مؤلفہ حضرت حکیم الامتؒ سے ماخوذ ہیں۔ افسوس ہے کہ رسالہ النور (تھانہ بھون) میں بالاقساط ایک دو سال شائع ہوا پھر سلسلہ بند ہو گیا۔

۱۱۔ **احکامُ القرآن**: حنفیہ نے جن مسائل فقہیہ کو قرآنِ کریم سے مستنبط کیا ہے، ان کو جمع کیا گیا ہے۔ **سورۃ النساء** تک لکھا گیا ہے۔ سلسلہ جاری ہے۔ ناظرین دعاءِ اتمام فرمائیں۔

۱۲۔ فاتحۃ الکلام فی القراءۃ خلف الامام
امام کے پیچھے مقتدی پر حنفیہ کے نزدیک قراءت فاتحہ واجب نہیں۔ اس مسئلے پر مفصل و مدلل کلام ہے۔ طبع ہو چکا ہے۔

۱۳۔ فضائلِ جہاد: جب ستمبر ۱۹۶۵ء میں حکومت ہندوستان نے پاکستان پر جارحیت کے ساتھ حملہ کیا تو مسلمانوں میں جذبۂ جہاد زندہ کرنے کے لیے لکھا گیا۔ طبع ہو گیا ہے۔

۱۴۔ فضائلِ درود شریف: طبع نہیں ہوا۔

۱۵۔ براءۃِ عثمان: بعض صحافی علماء نے حضرت عثمان، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم پر نازیبا تنقید کی تھی۔ اس میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ طبع ہو گیا ہے۔

۱۶۔ سفرنامۂ حجاز: حصہ اول کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ حصہ دوم ماہنامہ "ندائے حرم" (کراچی) میں بالاقساط شائع ہوا ہے۔ حصہ سوم زیرِ تالیف ہے۔

۱۷۔ تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین: (تین حصے) مسلمانوں کو شرکتِ کانگریس سے روکا گیا اور اس کے دینی و دنیوی نقصانات پر توجہ دلائی گئی۔ طبع ہو چکا ہے۔

۱۸۔ کشف الدجا عن وجہ الربا: مفتی حیدرآباد دکن نے دعوے کیا تھا کہ ربا صرف بیع میں ہے، قرض میں نہیں۔ اس کا رد کیا گیا ہے۔ جس رسالے کا جواب ہے وہ عربی میں تھا

لہٰذا جواب بھی عربی میں دیا گیا ہے جس کی عربیت کی علامہ سید سلیمان ندوی ؒ نے تعریف کی کہ سلف جیسی عربی ہے۔ ترجمۂ اردو بھی ساتھ ساتھ ہے۔ اس پر بہت علماء کی تقاریظ ہیں، اعلاء السنن حصہ چہارم کے ساتھ بھی طبع ہو گیا ہے۔

۱۹- **نور علیٰ نور:** دو عربی نعتیہ قصیدوں کا مجموعہ۔ یہ نام حضرت حکیم الامت ؒ نے رکھا۔ طبع ہو گئے ہیں۔

۲۰- **وسیلۃ الظفر فی مدح خیر البشر**

عربی نعتیہ قصیدہ۔ یہ نام مولانا سید سلیمان ندوی ؒ نے رکھا۔ طبع ہو گیا ہے۔

یہ وہ تصانیف ہیں جو کتابی شکل میں لکھی گئی ہیں۔ متفرق مضامین تو بہت ہیں جو ماہوار رسالوں میں شائع ہوتے اور ہوتے رہتے ہیں "فاران" (کراچی) میں ایک مفصل مضمون عائلی قوانین کے متعلق شائع ہو چکا ہے۔ ہفتہ وار "شہاب" (لاہور) میں "مقالاتِ عثمانی" کے نام سے متعدد مضامین شائع ہوتے ہیں۔

۲۱- **انوار النظر فی آثار الظفر:** اس رسالے کا نام رکھتا ہوں جو آپ کے سوالات کے جواب میں ہے۔

---

(۱۸) درسِ نظامی میرے نزدیک علوم شرعیہ میں قابلیت پیدا کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ اس میں صرف طریقۂ تعلیم کو بدلنے کی ضرورت

ہے کہ علمِ ادب کی کتابیں کافیہ و شرح جامی کے بعد پڑھائی جائیں۔ آخر
میں پڑھانا جیسا آج کل دستور ہے اچھا نہیں۔

عربی زبان پر حاوی ہونا کتب فقہ و تفسیر و حدیث پڑھنے سے پہلے
ضروری ہے۔ علمِ ادب پڑھانے کے ساتھ اُردو کی عربی، عربی کی اردو
بنانے کی مشق بھی کرائی جائے اور کتبِ فقہ کے ساتھ فتوٰی نویسی کی۔ علمِ
حدیث پڑھانے کے ساتھ طلبہ کو وعظ و تبلیغ کی مشق کرائی جائے

علمِ منطق و فلسفہ کی کتابیں زیادہ پڑھانے کی ضرورت نہیں بلکہ
اتنی مقدار پڑھائی جائے جس سے متقدمین کے علمِ کلام کو سمجھنے کی
قابلیت پیدا ہو جائے کیونکہ متقدمین کا علمِ کلام پڑھنا ضروری ہے اور
اس میں فلسفۂ یونان کا رد کیا گیا ہے اور منطقی اصطلاحات سے بہت
کام لیا گیا ہے۔ اس لئے کسی قدر منطق و فلسفۂ قدیم سے واقف ہونا
ضروری ہے۔ منطق و فلسفہ کی زائد کتابیں حذف کر کے علمِ تفسیر اور علمِ
تاریخ کی کتابوں کا اضافہ کیا جائے۔

ترجمۂ قرآن (معراجی) جلالین سے پہلے ضرور پڑھایا جائے۔ درسِ
نظامی کے ساتھ انگریزی پڑھانا اچھا نہیں۔ چونکہ انگریزی سے دنیوی
منافع حاصل ہوتے ہیں اس لئے طلبہ درسِ نظامی پر توجہ نہیں کرتے
انگریزی پر زیادہ توجہ کرتے ہیں۔

مدرسہ عالیہ اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اس
لئے درسِ نظامی پڑھانے کے زمانے میں انگریزی نہ پڑھائی جائے۔

اس سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ جو چاہیں پڑھیں۔ اگرچہ تجربہ یہ ہے کہ بعد میں انگریزی پڑھنے والے بھی علوم شرعیہ میں ترقی نہیں کرتے، الا ماشاء اللہ۔

۱۹- اصلاح معاشرہ کے لئے میرے نزدیک جماعت تبلیغی میں شامل ہونا بہت مفید ہے۔ جس کا مرکز پاکستان میں رائے ونڈ ضلع لاہور ہے اور اس کی شاخیں کراچی، حیدرآباد وغیرہ تمام شہروں میں قائم ہیں۔ نیز کسی اہل دل عالم عارف کی صحبت میں گاہے گاہے حاضر ہونا بھی ضروری ہے کہ ؎

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا (اکبر)

۲۰- تاسیس و تعمیر پاکستان میں بندہ نے جو خدمات ادا کی ہیں، ان کا مفصل مضمون میں تذکرہ آچکا ہے۔

والسلام مسک الختام
ظفر احمد عثمانی عفی عنہ
۹ ار جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ
مطابق
۶ر ستمبر ۱۹۶۶ء

دیوم دفاع پاکستان، دخلدھا اللہ العزیز الرحمٰن،

مجلس صیانۃ المسلمین

نام ہے اُس نظامِ عمل کا جس کے تحت مُسلمان سرگرمِ عمل ہو کر جملہ پریشانیوں اور اُلجھنوں سے یقینی طور پر نجات حاصل کر سکتے ہیں جس کو حکیم الامّت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرّہٗ نے اپنے نورِ بصیرت سے مسلمانوں کے لیے تجویز فرما کر سب سے پہلے ۱۹۳۰ء میں جاری فرمایا تقسیم ملک کے بعد حضرت حکیم الاُمّت کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا جلیل احمد صاحب شروانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں پاکستان میں اس کی نشاۃ ثانیہ زیرِ سرپرستی شیخ المشائخ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ از اکابر خلفاء حضرت تھانویؒ جامعہ اشرفیہ میں ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ یہ چشمۂ فیض جبھی سے پاکستان میں جاری ہے۔ آخر میں رئیس الاُمّت حضرت مولانا جلیل احمد صاحب شروانیؒ نے مجلس کی صدارت [illegible] مولانا سیّد محمد نجم الحسن صاحب تھانوی مدظلہم العالی کے سپرد فرمائی جو بفضلہ تعالیٰ اب تک باحسن وجوہ اُن کی زیرِ صدارت جاری ہے ہفتہ وار درسِ قرآن مجید، درسِ احادیثِ شریف، درسِ مثنوی معنوی، خطابتِ جمعہ، دیگر تبلیغی اجتماعات اور مختلف تبلیغی رسائل وغیرہ کی نشر و اشاعت موصوف ہی کی زیرِ نگرانی و سرپرستی بحمداللہ تعالیٰ جاری ہیں جو حضرات ان اجتماعات میں شرکت فرماتے ہیں وہ اس کی افادیت و جاذبیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔

درحقیقت "مجلس صیانۃ المسلمین" ایک آہنی و فولادی قلعہ ہے جس میں آ کر انسان اپنے کو نفس و شیطان کے ہر حملہ سے محفوظ پاتا ہے۔

تفصیلات کے لیے "نظامِ عمل" کا مطالعہ فرمائیں جو مفت منگایا جا سکتا ہے۔

اراکین مرکزی مجلس صیانۃ المسلمین ۶۹۔ مال روڈ، لاہور

انوار النظر

فی

آثار الظفر

فقیہ الامت شیخ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی مدظلہم

کی

خود نوشت سوانح حیات

مرکزِ مجلسِ صیانۃ المسلمین لاہور

انوار النظر فی آثار الظفر

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی مدظلہم

صدر مرکزی جمعیۃ علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی

کی

خود نوشت سوانح

حصہ دوم

مرکزی مجلس صیانۃ المسلمین

۱۴۔ گورو نانک روڈ ۰ کرشن نگر ۰ لاہور

انوار النظر حصہ دوم

ناشر — مرکزی مجلس حمایۃ المسلمین لاہور

مطبع — آفتاب عالم پریس لاہور

بار — اول

تعداد — ایک ہزار

سنہ ۱۳۹۰ھ — سنہ ۱۹۷۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلین

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہم کی ہستی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

آپ کی علمی، عملی، روحانی، سیاسی خدمات ایسی بے لوث ہیں کہ دوست اور دشمن سب ان کے قائل ہیں۔

انوار النظر کا پہلا حصہ منظر عام پر آ چکا ہے۔ دوسرا حصہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ دونوں حصے خود نوشت سوانح ہونے کی وجہ سے انتہائی مجمل اور مختصر ہیں۔ تاہم جہاں آئندہ تاریخ دان کے لیے یہ ایک مستند نشان راہ کی حیثیت رکھتے ہیں وہاں اہل بصیرت کو ایک عملی نمونہ بھی پیش کرتے ہیں کہ دنیا میں آنے کا حقیقی مقصد کیا ہے؟

اس سوانح کا مطالعہ بلاشبہ اس وقت مکمل ہوگا،

جب کہ صاحب سوانح سے عملی طور پر بھی استفادہ کر لیا جائے اور اپنے قال کو حال بنانے کی سعی میں مشغول ہو جائیں۔

اس وقت انشاء اللہ تعالیٰ حقائق منکشف ہو جائیں گے اور یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ یہ دنیا اب بھی جنید و شبلی ابو حنیفہ و امام مالک اور نور الدین زنگی و صلاح الدین ایوبی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے صوفیائے کرام، فقیہانِ عظام اور مجاہدینِ اسلام سے خالی نہیں۔

غرضیکہ آپ نیک نیتی سے صاحب سوانح مدظلہم سے جس قدر عملاً نزدیک ہوں گے، اسی قدر آپ پر اس سوال کا جواب بھی منکشف ہوتا جائے گا کہ ؎

الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

والسلام

احقر عبدالجواد عفی عنہ:
یکے از خاک پائے اولیائے عظام
۳ر شعبان المکرم ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انوار النظر فی آثار الظفر (حصہ دوم)

تمہید

بعد الحمد والصلوٰۃ ۔ انوار النظر کا پہلا حصہ ایک کرم فرما کے سوالات کا جواب تھا، احباب کا تقاضہ ہوا اور اپنا بھی دل چاہا کہ جو واقعات سوالات سے متعلق نہیں ہیں، ان کو بھی قلم بند کردوں، چنانچہ یہ دوسرا حصہ ایسے ہی واقعات پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور مجھے اور میرے متعلقین کو خصوصاً اور عام مسلمانوں کو عموماً ان سے منتفع فرمائیں ۔ آمین ۔

باب اول

(چند واقعات)

واقعہ اول ۱۹۲۳ء میں جب کہ میرا قیام مدرسہ راندیریہ رنگون میں تھا، مولوی ظفر علی خاں مرحوم ایڈیٹر اخبار "زمیندار" لاہور، رنگون تشریف لائے۔ جس کا سبب غالباً اخبار زمیندار کی

ضمانت کی ضبطی امداس کی وجہ سے مالی پریشانیاں تھیں۔ ان کے احباب
رنگون نے مشورہ دیا کہ وہ رنگون آجائیں تو وہ خود بھی اور دوسرے متمول تاجران
سے بھی بڑی رقم وصول کر کے ان کی پریشانی کو کم کرنے کی کوشش کریں
گے۔

چنانچہ وہ ستمبر ۱۹۳۳ء رنگون پہنچ گئے۔ ان کے احباب نے قاسم
غلام احمد سے کہا کہ تمہارا مکان وسیع ہے، کئی منزلہ ہے تم ظفر علی خان صاحب
کو اپنے مکان میں ٹھہراؤ۔ قاسم غلام احمد کو مجھ سے تعلق تھا انھوں نے کہا
میں ظفر احمد عثمانی سے مشورہ کرلوں۔ اگر وہ کہیں گے تو میں ایسا کر سکتا
ہوں۔ ان کے دوستوں نے کہا کہ وہ تو غالباً آپ کو ایسا مشورہ نہ دیں
گے۔ کیونکہ ایک زمانہ میں ظفر علی خان نے مولانا محمد اشرف علی صاحب
پر کچھ اعتراضات اپنے اخبار میں کیے تھے اور عثمانی صاحب مولانا تھانوی
کے بھانجے ہیں۔ ان کو بھی ظفر علی خان سے کچھ خلش ہوگی۔

قاسم غلام احمد نے کہا جو کچھ بھی ہو، میں ان سے مشورہ کیے بغیر یہ
کام نہ کروں گا۔ وہ میرے پاس آئے اور صورت حال بیان کی میں نے
کہا:

"آپ ضرور ان کو اپنے مکان میں ٹھہرالیں۔ وہ اس
وقت مسلمانان رنگون کے مہمان ہیں اور مہمان کا اکرام ہمارا

اخلاقی فرض ہے"

کہنے لگے، تو پھر آپ کو بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا پڑے گا۔ میں نے اس کو بھی منظور کر لیا۔

اس کے بعد ظفر علی خان صاحب کی تقریر کا انتظام کیا گیا۔ پہلی تقریر سورتی جامع مسجد میں ہوئی۔ تقریر کا موضوع غالباً "اسلامی جہاد" تھا۔ اثنار تقریر میں انہوں نے مسئلہ سود بھی چھیڑ دیا اور علمار کو مخاطب کر کے کہا کہ

"مسلمان کفار کو سود دیتے ہیں ان سے لیتے نہیں۔ اس طرح توازن قائم نہیں رہتا۔ کفار کی دولت بڑھتی رہتی ہے، مسلمانوں کی گھٹتی رہتی ہے۔ علمار اس مسئلہ پر غور فرمائیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دار الحرب میں کفار سے سود لینا جائز ہے۔ تو کیوں نہ اس پر فتوے دیا جاسکے۔"

میں نے کہا۔

"آپ اس وقت اس بحث میں نہ پڑیں۔ جو بیان کر رہے تھے، بیان کرتے رہیں۔ میں اس مسئلہ پر پھر زبانی گفتگو کروں گا"

انہوں نے اس مسئلہ کو چھوڑ کر اپنی تقریر جاری رکھی۔ اس سے فارغ ہو کر وہ قیام گاہ پر پہونچے۔ کھانے کا وقت ہو گیا تھا چونکہ میں بھی مدعو تھا

اس لیے قیامگاہ پر پہونچ گیا۔ اس وقت بہت سے سیٹھوں کا مجمع
وہ بھی کھانے پر مدعو تھے۔ میں نے اس وقت مسئلہ سود پر گفتگو
مناسب سمجھی۔ میں نے کہا:۔

"ظفر علی خان صاحب! میں اس وقت دلائل سے
بحث نہیں کروں گا، واقعات سے سود کی برائی ثابت
کروں گا۔ یہ رنگون کے تاجر آپ کے سامنے موجود ہیں، ان
سے معلوم کرلیا جائے کہ ایک سال رنگون کے بازار آگ لگی بہت
سی دکانیں جل کر راکھ ہوگئیں۔ جب ایک دیندار سیٹھ کی دکان کے
پاس آگ پہنچی تو ان کے لڑکے اور ملازمین دوڑے ہوئے سیٹھ
کے پاس گئے۔ وہ اس وقت نماز کے لیے مسجد گئے ہوئے
تھے۔ ان سے کہا، بازار میں آگ لگ گئی ہے اور آپ کی دکان
کے پاس پہونچ گئی ہے۔ جلدی چلیے۔ سیٹھ نے بڑے اطمینان
سے کہا:۔

"میں نہ سود لیتا ہوں نہ دیتا ہوں اور ہر سال زکوٰۃ برابر
دیتا ہوں۔ بے فکر رہو، انشاء اللہ تعالیٰ میری دکان میں آگ
نہ لگے گی۔"

ملازمین واپس آئے تو دیکھا واقعی ان کی دکان کو چھوڑ

کر آگ دوسری دکان میں لگ گئی۔ دونوں طرف دکانیں جل رہی تھیں مگر ان کی دکان محفوظ تھی۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ رنگون میں بڑی شیئرز[1] کمپنیاں ۲ دو ہیں ایک سورتی بڑا بازار ہے جس کا کاروبار سودی نہیں ہے دکانیں اور مکانات بناتا ہے اور کرایہ پر دیتا ہے۔ شیئر پچیس روپیہ کا ہے منافعہ اس وقت دس روپیہ ماہوار ہے۔ اب اس نے شیئرز کی فروخت بند کر دی ہے، جو شیئر لینا چاہے وہ پہلے شیئرز ہولڈروں سے شیئرز خریدتا ہے۔ آج پچیس روپیہ کے شیئر کی قیمت ڈھائی ہزار روپیہ سے بھی اوپر ہے۔

دوسری آر اے ٹی کمپنی ہے جس کا شیئرز دس روپیہ کا ہے اور منافع سالانہ ایک روپیہ ہے، کبھی سوا روپیہ بھی ہو جاتا ہے اور کبھی بارہ آنہ ہو جاتا ہے اور شیئر کی قیمت دہی دس روپیہ ہے۔ سورتی بڑا بازار کے جس شیئرز ہولڈر کے پانچ سو شیئرز تھے، آج وہ لکھ پتی ہے اور آر اے ٹی کمپنی کے شیئرز ہولڈر کے پاس اگر پانچ سو شیئرز ہیں وہ ہزار پتی سے اوپر نہیں کیونکہ اس کا کاروبار سودی ہے۔

پھر آپ تو صحافی ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ آج دنیا

[1] Shares (حصے)

کی اقتصادی حالت کے خراب ہونے اور اشیاء کے گراں ہونے کا بڑا سبب امریکہ کا سود ہے۔ دنیا کی ساری حکومتیں امریکہ کی مقروض ہیں اور اس کو سود دیتی رہتی ہیں جس کی وجہ سے ہر حکومت کی معیشت پر بڑا بار ہے۔ اسی لیے گرانی بڑھتی ہے۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب مسلمانوں کا عروج تھا، اس وقت مسلمان سودی کاروبار نہیں کرتے تھے بلکہ شرکت مضاربت سے کاروبار کرتے تھے۔ اس میں اتنی برکت تھی کہ آج اس کی نظیر ملنا محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

"تاریخی واقعہ ہے کہ بغداد سے ایک تاجر بہت سے جہاز لے کر تجارت کو چلا تو اس کے دوستوں اور قرابت داروں نے اپنا اپنا مال بھی اس کو دیا کہ اس کو بھی اپنی تجارت میں شامل کر لو۔ جو منافع ہوگا آدھوں آدھ تقسیم کر لیا جائے گا۔ اس وقت ایک بڑھیا بھی کھڑی تھی جو تاجر کی قرابت دار تھی تاجر نے ہنس کر کہا اماں تم بھی کچھ تجارت میں لگا دو۔ اس نے پوچھا، کتنا نفع ہونے کی امید ہے؟ اس نے کہا، ہر چھ ماہ میں دوگنا ہو جانے کی امید ہے۔ اس نے ایک روپیہ نکال کر دے دیا کہ میری طرف سے یہ لگا دینا تاجر نے روپیہ

جیب میں ڈال لیا۔ بارہ سال کے بعد واپس آیا اور سب لوگوں کا حساب کر دیا۔ بڑھیا بھی پہونچی تو اس نے اپنے منشی سے کہا کہ:۔

"بڑی بی کو پانچ ہزار روپیہ دے دو۔"

بڑھیا نے کہا:۔

"یوں نہیں، میں تو حساب سے لوں گی۔ بتلاؤ تم نے جو کہا تھا کہ ہر چھ ماہی میں سرمایہ دونا ہو جائے گا، تو ایسا ہوا یا نہیں؟"

تاجر نے کہا، واقعی ایسا ہوا ہے۔ تو اس نے کہا، اب حساب کر کے میرا نفع دو۔ تاجر نے منشی سے کہا۔

"ان کو ڈھائی لاکھ روپیہ دے دو۔"

بڑھیا خوش ہو کر چلی گئی۔ منشی نے کہا، آپ نے بڑی بی کو بہت دے دیا۔ تاجر نے کہا، میں نے اس کا روپیہ تجارت میں لگایا نہیں تھا، وہ میری جیب ہی میں پڑا رہا۔ اگر تجارت میں لگاتا تو حساب سے اس کا حق اس سے بھی زیادہ ہوتا۔

کیا آج اس کی نظیر مل سکتی ہے؟ کہ ایک روپیہ سے بارہ سال میں ڈھائی لاکھ سے اوپر نفع ہو جائے۔ یہ انتہائے

شریعت کی برکت تھی اور سود سے بچنے کی:
ظفر علی خاں صاحب نے اگلی تقریر میں اس کا اعتراف کیا کہ:

"مسلمانوں کو سود سے بچنا چاہیے اور شریعت کے
موافق شرکتِ مضاربت کرنا چاہیے۔"

واقعۂ دوم ظفر علی خاں مرحوم کے قیامِ رنگون ہی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک ہندو نے کلکتہ کے کسی اخبار میں ایک مضمون شائع کیا جس میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی گئی تھی۔ مسلمانانِ رنگون نے اس پر احتجاج کے لیے "تمارف ہال" میں جلسہ بلایا۔ میں نے دوستوں کو رائے دی کہ اس جلسہ کا صدر ظفر علی خانصاحب کو بنایا جائے کہ وہ ایسے احتجاجی جلسوں کی صدارت کرنا جانتے ہیں۔
چنانچہ ان کو صدر بنایا گیا۔ جلسہ میں چند مقررین نے تقریریں کیں۔
مجھے بھی تقریر کے لیے کھڑا کیا گیا۔ میں نے اثنارِ تقریر میں کہا کہ:

"کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں
کرتے رہیں گے اور مسلمان اسی طرح بیٹھے رہیں گے۔ آخر
آپ کو کس بات کا انتظار ہے؟"

میرے اس فقرہ پر ایک دم سارا جلسہ کھڑا ہو گیا۔ ظفر علی خاں بھی کھڑے ہو گئے۔ نعرۂ تکبیر سے ہال گونج گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ ہم بیٹھے نہیں

رہیں گے، ہمیں حکم دیجئے ہم فوراً تعمیل کریں گے۔ پانچ سات منٹ تک سب لوگ کھڑے رہے، تو میں نے کہا:۔

الحمدللہ، مسلمان زندہ ہیں۔ اب آپ بیٹھ جائیں اس وقت تو میں صدر صاحب سے کہوں گا کہ اس کے متعلق ریزولیوشن پیش کریں۔ اس سے کام نہ چلا تو دوسری صورت اختیار کی جائے گی"

اس پر سب بیٹھ گئے اور صدرِ جلسہ نے ریزولیوشن بنا کر پیش کیا جس کو بالاتفاق منظور کیا گیا۔ ریزولیوشن میں یہ بھی تھا کہ اس گستاخ کو تنبیہ کی جائے کہ وہ فوراً مسلمانوں سے معافی مانگے ورنہ جیل بھیج دیا جائے چنانچہ چند ہی روز میں اس ہندو نے اسی اخبار میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کے مسلمانوں سے معافی مانگی۔

جلسہ کے بعد مولوی ظفر علی خاں صاحب نے میرے دوست حاجی داؤد ہاشم یوسف اور قاسم غلام احمد سے کہا:۔

"مجھے آج معلوم ہوا کہ خانقاہ والوں میں بھی ایسا جذبہ اور جوش ہے کہ ان کے ایک فقرہ سے سارا جلسہ جوش میں آگیا اور ایک دم کھڑا ہو گیا۔ میں تو ڈر گیا تھا کہ مولانا کہیں اسی وقت جہاد کا حکم نہ دے دیں"

داؤد ہاشم صاحب نے کہا۔

"ہائے یہ آخر کس کے بجائے ہیں؟ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے وعظ میں تو بعض لوگ روتے روتے بیتاب ہو جاتے ہیں اور جوش میں بھر جاتے ہیں"

واقعہ سوم برما میں ایک بستی ٹانگو ہے۔ رنگون سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر ہوگی۔ وہاں ایک سال آل برما ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس منعقد ہونا طے پایا۔ اس کا سیکرٹری رنگون کے سیٹھوں سے کانفرنس کے لیے چندہ کرنے کے لیے آیا اور کانفرنس میں شرکت کی درخواست بھی کی۔ حاجی محمد یوسف اور حاجی داؤد ہاشم یوسف نے مجھ سے مشورہ کیا۔ میں نے کہا۔

"اگر اس کانفرنس میں یہ تجویز پاس کر دی جائے کہ مسلم اسکولوں میں قرآن کریم اور تعلیم الاسلام پڑھانا لازمی ہوگا، اور دینیات کے امتحان کی کامیابی پر طالب علم کو کامیاب سمجھا جائے گا تو اس کانفرنس میں چندہ دینا اور شرکت کرنا مفید ہے ورنہ بیکار ہے"

سکرٹری نے کہا۔

"یہ تجویز ضرور پاس کر دی جائے گی۔ بشرطیکہ آپ حضرات

شرکت فرمائیں کیونکہ آپ کی شرکت سے اس تجویز کے حق میں زیادہ ووٹ آجائیں گے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ تجویز پاس نہ ہوگی۔"

حاجی محمد یوسف صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کانفرنس میں شرکت کر سکتے ہیں؟

میں نے کہا۔

"اگر یہ تجویز پاس کرانا سکرٹری صاحب کے نزدیک میری شرکت پر موقوف ہے تو میں جانے کو تیار ہوں مگر میرے ساتھ اور بھی حضرات ہونے چاہییں تاکہ وہ پہلے تائید کریں۔ ان کے اثر سے دوسرے بھی متاثر ہو جائیں گے۔"

چنانچہ مفتی اسمٰعیل بسم اللہ صاحب اور جمعیۃ علماء برما کے متعدد ارکان اور حاجی داؤد ہاشم یوسف اور چند تاجر شرکت کانفرنس کے لیے تیار ہو گئے جن کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔ جب ہم کانفرنس میں پہونچے تو قاری نورالحق صاحب لکھنوی تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ ایسا خوش الحان خوش آواز قاری میں نے نہیں دیکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ راستہ طے کرنا مشکل ہو گیا جو جہاں تھا، وہاں کھڑا ہو گیا۔ آگے قدم نہیں بڑھا سکتا تھا۔

قاری صاحب نے قرات ختم کی تو پہلے خطبۂ استقبالیہ اور پھر خطبۂ

صدارت پڑھا گیا۔ یہ دونوں خطبے انگریزی میں تھے۔ میں نے کچھ نہیں سمجھا۔ میرے پاس انگریزی داں مترجم تھا۔ اس نے بتلایا کہ تعلیم کی ضرورت، اور مسلمانوں کا تعلیم میں دوسری قوموں سے پیچھے رہنے کا بیان تھا۔

دوسرے اجلاس میں تجویزیں پیش کی گئیں۔ میں نے بھی اپنی تجویز پیش کی کہ:۔

"سرکاری مسلم اسکولوں میں قرآن کریم اور اردو رسائل دینیات کی تعلیم لازم کی جائے اور جیسا دوسرے لازمی مضامین کا امتحان پاس نہ کرنے پر طالب علم کو ناکام سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح دینیات کا امتحان پاس نہ کرنے پر فیل قرار دیا جائے"

میری اس تجویز کی تائید میں چند مقرروں نے تقریریں کیں تو صدر جلسہ جو ایک پنجابی بیرسٹر تھے، جھلا اٹھے اور کہنے لگے:۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ ہر طرف سے دین دین کی آواز آرہی ہے۔ دنیا کو بھی تو سنبھالنا ضروری ہے اور یہ کیا تعلیم ہے جس پر آپ زور دے رہے ہیں طوطے کی طرح رٹنا بھی کوئی تعلیم ہے؟"

اس پر میں نے قاری نورالحق صاحب کو اشارہ کیا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر صدر کو دھمکایا کہ آپ تعلیم قرآن کی توہین کر رہے ہیں۔ اپنے الفاظ واپس لیجئے اور قوم سے معافی مانگیے۔ وہ بولے:۔

"میں صدر ہوں۔ آپ کو مجھ پر تنقید کا کوئی حق نہیں"۔
اس پر ایک برمی مولوی صاحب کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے برمی زبان میں صدر کو بہت دھمکایا کہ جو صدر تعلیم قرآن کی توہین کرے۔ ہم اس کو کرسئ صدارت سے اٹھا کر نیچے پھینک دیں گے۔ پھر یکے بعد دیگرے چند مقررین نے صدر سے کہا کہ:

"اپنے الفاظ واپس لو اور قوم سے معافی مانگو ورنہ ہم جلسہ کو درہم برہم کر دیں گے"۔

اس پر بھی صدر صاحب خاموش رہے تو ہم نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ جلسہ سے واک آوٹ کر کے باہر چلے جائیں۔ یہ کہہ کر میں کھڑا ہو گیا تو رنگون سے آنے والے سب ساتھی کھڑے ہو گئے ہمیں دیکھ کر جلسہ کے دو تہائی آدمی کھڑے ہو کر جلسہ سے باہر آ گئے۔ جب ایک تہائی آدمی رہ گئے تو صدر نے سیکرٹری سے کہا:

"کوئی اور تجویز پیش کی جائے"۔

اس نے تیز لہجہ میں جواب دیا کہ:

"جلسہ درہم برہم ہو چکا ہے۔ اب کیا تجویز پیش کروں؟ ایک تہائی سے بھی کم آدمی رہ گئے ہیں۔ سمجھدار طبقہ چلا گیا عوام رہ گئے ہیں۔ ان کے پاس کرنے سے کوئی تجویز کیسے پاس

ہو سکتی ہے ؟ رنگون کے صحافی بھی جلسہ میں موجود تھے، اور
پھر اب بھی موجود ہیں۔ وہ یہ سب حال دیکھ رہے ہیں اور لکھ کر
اپنے اخباروں کو بھیجنے والے ہیں۔ اس کے بعد دنیا کو
کانفرنس کا ناکام ہونا معلوم ہو جائے گا اور اس کی کوئی تجویز
نہیں مانی جائے گی ''

صدر نے کہا:-

پھر اب کیا کیا جائے۔ کانفرنس کیونکر کامیاب
کی جا سکے ''

سیکرٹری نے کہا:

'' اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ حضرات علماء کو
خوشامد کر کے جلسہ میں لایا جائے اور آپ اپنے الفاظ واپس
لیں اور قوم سے معافی چاہیں ''

صدر نے وعدہ کیا۔ ہم لوگ جلسہ سے واپس اپنی قیامگاہ پر آ
گئے اور رنگون جانے کے لیے سامان باندھ رہے تھے کہ سیکرٹری
صاحب پہنچ گئے اور بڑی خوشامد سے جلسہ کی شرکت پر اصرار کرنے
لگے۔ میں نے صاف انکار کر دیا کہ ایسے شخص کی صدارت میں ہم جلسہ
نہیں کر سکتے۔

سکریٹری نے کہا:۔

"وہ معافی چاہنے کو تیار ہے اور اپنے الفاظ واپس لینے کا بھی وعدہ کرتا ہے"

مفتی اسمٰعیل بسم اللہ صاحب بول پڑے کہ اگر وہ ایسا کر دیں تو ہم شریکِ جلسہ ہو جائیں گے۔ ہم بھی یہ نہیں چاہتے کہ آپ کی کانفرنس ناکام اور آپ کی محنت برباد ہو۔ دوسرے حضرات نے بھی ان کی تائید کی تو میں نے اس شرط پر شرکت منظور کر لی کہ:۔

"صدر اپنے الفاظ واپس لیں، غلطی کا اعتراف کریں اور توبہ کر کے قوم سے بھی معافی چاہیں"

چنانچہ دوسرے اجلاس میں ہم لوگ پہونچے تو صدر نے بڑے تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا اور کھڑے ہوتے ہی اپنی غلطی کا اعتراف کر کے قوم سے معافی چاہی۔ جلسہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور میری تجویز پیش ہوتے ہی باتفاق رائے پاس ہو گئی۔ کانفرنس کا اجلاس تین دن تک ہوتا رہا۔ درمیان میں بعض دفعہ صدر نے مجھے کرسیٔ صدارت پر بیٹھنے کی پیشکش کی کہ وہ کسی ضرورت سے جلسہ سے باہر جانا چاہتے تھے، میں نے اس کو منظور کیا اور رنگون کے صحافیوں سے کہہ دیا کہ:۔

"جلسہ میں جو ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہے۔ اس کو اخبار

میں نہ دیں۔"

سب نے منظور کر لیا مگر بعض نے یہ عذر پیش کیا کہ ہم تار سے اطلاع دے چکے ہیں اور واقعہ اخبار میں چھپ گیا ہو گا۔ میں نے کہا "اگر ہو سکے تو ایک تار اور دے دیا جائے کہ یہ واقعہ چھپا یا نہ جائے۔"

مگر اخبار والے کہاں رکتے ہیں۔ انگریزی اور بڑے اخباروں میں سارا واقعہ چھپ گیا اور اس واقعہ سے جمعیۃ علماء کی عظمت و وقار کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا۔

واقعہ چہارم ایک دفعہ بھاموشہر میں جو سرحد چین کے قریب ہے ایک ہندو وکیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا مضمون شائع کیا۔ وہاں کے مسلمانوں نے مقدمہ دائر کر دیا اور جمعیت علماء برما کے دفتر میں تار آیا کہ اس کیس کی پیروی کے لیے بیرسٹر محمد رفیع صاحب کو رنگون سے یہاں بھیج دیا جائے۔ کیس کی تاریخ بھی بتا دی تھی۔ بیرسٹر محمد رفیع صاحب ہم لوگوں سے بہت اچھی طرح ملتے تھے اور اسلامی کاموں میں بڑا حصہ لیتے تھے۔

میں نے ان کو فون کیا۔ وہ دفتر جمعیت میں تشریف لائے

جمعیت کا اجلاس اکثر مدرسہ راندیریہ میں میرے دفتر کے سامنے ہی ہوا کرتا تھا کہ وہی وسیع ہال تھا۔ میں نے بیرسٹر محمد رفیع صاحب سے اس کیس کی پیروی کے لیے کہا، وہ فوراً تیار ہو گئے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ:

"ان تاریخوں میں تو میرے پاس بڑا کیس ہے۔ جس کے گواہ ہندوستان سے آرہے ہیں۔ میں بہاموکے جج کو تار کرتا ہوں کہ ان تاریخوں میں تبدیلی کر دے۔ کیونکہ میں اس کیس کی پیروی کروں گا اور ان تاریخوں میں نہیں آسکتا۔ دوسری تاریخ مقرر کریں۔"

بیرسٹر محمد رفیع کا تار بہامو کے جج کے پاس پہونچا تو اس نے اس ہندو وکیل کو بلایا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی اور کہا:

"اس کیس کی پیروی کو بیرسٹر محمد رفیع آرہا ہے۔ اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو مسلمانوں سے معافی مانگو اور اپنے الفاظ واپس لے کر غلطی کا اعتراف کرو۔ ورنہ تمہارا ڈپلوما بھی ضبط ہو جائے گا اور تم ذلیل ہو گے۔ بیرسٹر رفیع کے سامنے کوئی وکیل کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کو تم بھی خوب

جانتے ہو۔"

چنانچہ بیرسٹر محمد رفیع کو بہامو بہانا بھی پڑا کیونکہ مسلمانان بہاموکا دوسرا تار آ گیا کہ اس گستاخ نے اپنی غلطی کا اعتراف کرکے اپنے الفاظ واپس لے لیے ہیں اور مسلمانوں سے معافی چاہ لی ہے اور ہم نے اس شرط پر معافی دے دی ہے کہ معافی نامہ سب اخبارات میں خود اپنے خرچ سے شائع کرے۔

بیرسٹر محمد رفیع یہ تار لے کر ہمارے پاس آتے تو ہم نے بیرسٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور ان کو اس کامیابی پر مبارکباد دی۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی کاموں میں حصہ لینے کی وجہ سے بیرسٹر محمد رفیع مسلمانوں کے محبوب ہو گئے اور ان کی بیرسٹری خوب کامیاب ہوئی

واقعہ پنجم ظفر علی خاں رنگوں ہی میں رہتے کہ ان کی مجلس میں زیربادی مسلمانوں کا تذکرہ ہونے لگا کہ ہندوستان سے جو لاکھوں مسلمان تجارتی کاروبار، سرکاری ملازمت یا محنت مزدوری کے لیے برما آتے ہیں۔ ان میں سے اکثر برما کی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں۔ ان شادیوں سے جو اولاد ہوتی ہے وہ زیربادی[1] کہلاتی ہے۔

---

[1] ایک صاحب نے بیان کیا کہ یہ لفظ زیر بدیع کا بگڑا ہوا ہے۔ کسی عرب نے برمی عورت سے شادی کی تھی۔ اس سے خوبصورت لڑکا پیدا ہوا تو عرب نے زیر بدیع کہا یعنی [illegible] پھول۔ لوگوں نے اس کا زیربادی کر دیا۔ ۱۲

میں نے کہا کہ :-

"اس طرح برما میں اسلام خوب پھیل سکتا ہے - جس جگہ اسلام پھیلانا ہو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مسلمان وہاں کی عورتوں سے بکثرت نکاح کریں - اولاد تو مسلمان ہو ہی گی - بیوی کے خاندان میں بھی اسلام پھیلنے لگے گا -

چنانچہ زیرباد ی مسلمانوں کی تعداد اس وقت دو لاکھ سے کم نہیں کچھ زیادہ ہی ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ برما کے مسلمان اس زیرباد ی نسل کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں - ان کی یہ روش اشاعت اسلام کی راہ میں سنگ گراں بنی ہوئی ہے"

اس پر ظفر علی خاں نے برجستہ ایک نظم کہہ ڈالی - اور اپنی تقریر میں بھی سب مسلمانوں کو تنبیہ کی کہ زیرباد ی مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا ہرگز جائز نہیں - اس میں علاوہ ایک مسلمان کی دل شکنی کے یہ بھی نقصان ہے کہ آپ کا یہ طرز عمل اشاعت اسلام میں سنگ گراں بن رہا ہے - نظم یہ ہے جس کا عنوان ہے "زیرباد ی مسلمان"

گھر مسلمان کے برما کی دلھن آئے اگر

پھیل سکتا ہے یہاں دین بڑی آسانی سے

لیکن ایسا نہ ہو سسرال میں حصہ نہ ملے
اس کو اسلام کے احسان کی فراوانی سے
زہر بادی ہیں ہمارے ہی جگر کے ٹکڑے
ہم نے پالا ہے جنہیں قوت ایمانی سے
بڑی مشکل ہے یہ لیکن کہ ہماری اولاد
جوڑتی رشتہ سیاست میں ہے برطانی سے
میرے اس قول کی تصدیق کریں گے علماؔ
پوچھ لو جا کے ظفر احمد عثمانی سے،

ظفر علی خان مرحوم کی ایک نظم کا ذکر آ گیا تو ایک دوسری نظم بھی پیش کر دوں جس میں کانگریسی مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کو مسلمان بھی نہیں مانتے تھے۔ ان ہی کی زبان میں یہ غزل ۱۹۲۹ء میں لکھی گئی ہے جس کا عنوان ہے:۔

"بڑا مولوی"

وطن جس کی رو سے ہے بنیادِ ملت
میں اس شرع کی کر رہا پیروی ہوں

اہنسا کا فوارہ اچھلا ہے جس سے
میں اس زندگانی کی شان قومی ہوں
سکھاتا ہے جو ناچنا اور گانا!
میں اس مدرسہ[1] کا بڑا مولوی ہوں
کبھی میں بھی تھا عازم کوئے یثرب
اب اس عزم کو کر چکا ملتوی ہوں،
کوئی تمادری ہے کوئی سہروردی
مرا فخر یہ ہے کہ میں گاندھوی ہوں
مجھے لیگ سے اس لیے دشمنی ہے
وہ عبدالنصاری میں عبدالقوی ہوں
برستی ہیں[2] جس سے ترنگی بلائیں
میں اس عرش پر آج کل مستوی ہوں
سمجھ لوں میں جینا کو کیونکر مسلمان
کوئی میں بھی اشرف[3] علی تھانوی ہوں

---

[1] وارڈ سکیم کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ [2] کانگرس کے ترنگے جھنڈے کی طرف اشارہ ہے [3] اس طرف اشارہ ہے کہ علماء میں مسٹر جناح کو مولانا تھانوی اور ان کی جماعت ہی مسلمان سمجھتی تھی اور کوئی نہیں ۱۲۔

واقعہ ششم پاکستان بننے کے بعد زبان کا مسئلہ زیر بحث تھا کہ پاکستان کی سرکاری زبان کیا ہو؟ مغربی پاکستان والے تو اردو کو سرکاری زبان بنانا چاہتے تھے مگر مشرقی پاکستان میں اختلاف تھا۔ مسٹر فضل کریم فوبلی اس وقت چاٹگام کے کلکٹر تھے۔ پھر ڈھاکہ میں سیکرٹری تعلیمات ہوگئے۔ انھوں نے بنگلہ حروف القرآن کی تحریک شروع کی کہ بنگلہ زبان کا رسم الخط عربی کر دیا جائے تاکہ مغربی پاکستان والوں کو بنگلہ سیکھنا آسان ہو جائے اور مشرقی پاکستان والے اس طرح اردو سے قریب آجائیں۔

ہم نے اس تحریک کی تائید کی اور سمجھدار طبقہ کے مسلمانوں کو اس پر آمادہ کرنا شروع کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہو کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ مشرقی پاکستان کے اکثر شہروں میں اردو زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ مدارس اسلامیہ عربیہ اور مدرسہ عالیہ ڈھاکہ اور اس کی شاخوں میں بھی اردو ہی ذریعہ تعلیم ہے

چنانچہ اس طرح ایک لاکھ سے زیادہ دستخطوں کے ساتھ وزیر اعظم لیاقت علی خاں مرحوم کی خدمت میں درخواست پیش کردی کہ:

"مشرقی پاکستان والے بھی سرکاری زبان اردو ہی چاہتے ہیں۔"

اس کے بعد قائداعظم نے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا تو ڈھاکہ میں ایک لاکھ سے زیادہ مجمع کے سامنے صاف طور سے اعلان فرما دیا کہ:۔

"پاکستان کی سرکاری زبان اردو اور صرف اردو ہوگی"

ایک طرف سے آواز آئی :۔

"راشٹرو بھاشا بنگلہ چاہی"

اس پر مورچ نے اپنی بانفلیس پیشی کر کے سنڈال لیں۔ قائد اعظم نے پھر وہی اعلان کیا تو پھر اس کے خلاف کوئی آواز نہ آئی۔

واقعہ ہفتم

انوار النظر حصہ اول میں لکھ چکا ہوں کہ ۱۹۴۳ء میں ڈھاکہ یونیورسٹی سے میرا تعلق ختم ہو گیا تھا اور میں مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کا مدرس اول بنا دیا گیا۔ اس میں میرے دوست جناب فضل کریم صاحب فضلی کا بڑا ہاتھ تھا۔ انہوں نے مجھے اس پر آمادہ کیا کہ ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلق ختم کر کے مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں آجاؤں کیونکہ وہاں مدرس اول کی جگہ خالی تھی۔

میں نے اس کو منظور کر لیا تو انہوں نے مدرسہ عالیہ کے پرنسپل کے پاس میرے تقرر کی اطلاع بھیج دی کیونکہ فضلی صاحب اس وقت ڈھاکہ میں سیکرٹری تعلیمات تھے اور مدرسہ عالیہ کے عہدہ بھی تھے۔ جب میرے تقرر کا اعلان ہوا تو بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ:۔

"آج تک بغیر انٹرویو کے کسی عہدہ دار کا تقرر نہیں ہوا
عثمانی صاحب کا تقرر بغیر انٹرویو کیسے کر دیا گیا؟"
فضل کریم صاحب نے جواب دیا کہ:۔
"انٹرویو کے لیے عثمانی صاحب تیار ہیں مگر مجھے یہ
بتلایا جائے کہ ان کا انٹرویو کون لے گا؟ میں تو اپنے کو
اس قابل نہیں سمجھتا اور نہ پرنسپل صاحب ہی اپنے کو اس
لائق سمجھتے ہیں اب جو صاحب اپنے کو اس قابل سمجھتے ہوں
وہ اپنا نام پیش کریں"
اس پر معترضین خاموش ہو گئے۔
مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں میرے سپرد بخاری شریف اور الاشباہ
والنظائر اور اصول بزدوی ـــــ کے اسباق تھے اور تعلیم کی نگرانی بھلا
کا شکر ہے کہ طلبہ اور مدرسین اور پرنسپل مجھ سے خوش رہے۔ بعض
مدرسین کو اول اول کچھ خلش تھی پھر وہ بھی خوش ہو گئے۔
ستمبر ۱۹۴۹ء میں جب بندہ کو مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی
جگہ وفد خیرسگالی پاکستان میں حکومت سعودیہ عربیہ کی طرف بھیجا
گیا (کیونکہ مولانا پر اس وقت فالج پڑ چکا تھا) تو ۲۲ ستمبر روز جمعرات
مولانا محمد شفیع صاحب حجۃ اللہ انصاری کو جو مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں

اڈیشنل ہیڈ مولوی تھے ۔ اپنے کام کا چارج دیا ۔ اس وقت مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے دیگر علماء و مدرسین بھی موجود تھے ۔ مولانا محمد شفیع صاحب نے اس موقعہ پر اپنے چند تازہ اشعار سنائے جو بلا تکلف بے ساختہ بن گئے تھے ۔

عازمِ آرام گاہِ مصطفیٰ تجھ پہ سلام
شائقِ دیدارِ بیتِ مجتبیٰ تجھ پر سلام

طالبِ حق صدقِ دل سے سوئے کعبہ جب چلا
ابرِ رحمت سر پہ اس کے سایہ افگن ہو گیا

جاؤ جاؤ منتظر ہیں رحمۃ للعالمین
میزبانی خود کریں گے شاہِ ختم المرسلین

آفریں صد آفریں بر ہمتِ یکتائے تو
ویں سفر اے کاش باشد داروئے غمہائے تو

تیسرے شعر میں میری حالت دگرگوں ہو گئی اور بے ساختہ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا نے لگے کیا واقعی رحمۃ للعالمین کو میرا انتظار تھا ؟ میں اس قابل کہاں ؟ مگر بے گمانی یہ نوری سالار تو پھر اسی پر اشارہ کر رہا تھا جو بے ساختہ ان اشعار میں مولانا کی زبان پر آ گیا

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل ، نسیم صبح تیری مہربانی !

اس واقعہ سے یہ بھی مسرت ہوئی کہ ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے بحمد اللہ میری نسبت یا علاقہ میں کمی نہیں آئی والحمد للہ علی ذالک حمداً کثیراً

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے انتقال کے بعد جمادی الاخریٰ ۱۳۶۳ھ کے وسط میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی عیادت کو دہلی جانا ہوا کیونکہ مولانا اس وقت بہت علیل تھے خیال یہ تھا کہ مولانا کی عیادت کر کے دہلی ہی سے ڈھاکہ کو روانہ ہو جاؤں گا مولانا سے سلام و کلام اور معانقہ ہوا تو فرمانے لگے:۔

"آپ کو اپنا وعدہ بھی یاد ہے؟ آپ نے ایک چلہ تبلیغ میں دینے کا وعدہ کیا تھا۔"

میں نے کہا:۔

"وعدہ یاد ہے اور میں انشاء اللہ اس کو پورا کروں گا مگر اس وقت نہیں بلکہ رمضان میں کہ اس وقت میری تعطیل ہوگی۔"

فرمایا:۔

آپ رمضان کی باتیں کر رہے ہیں اور ہمیں شعبان کی بھی امید نہیں۔"

ان کے اس فقرہ سے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے کہا:۔

"حضرت بس میں ابھی ٹھہر گیا اور ابھی چلہ دوں گا"

اس پر مولانا کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا اور مجھے گلے سے لگا لیا۔ فرمایا:۔

"جزاک اللہ! آپ کے اس ارادہ سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔"

پھر حضرت نے مجھے دہلی کے نواح میں متعدد مقامات پر تبلیغ کے لیے بھیجا اور فرمایا:۔

"تمہارے اس عمل سے ہماری تبلیغ کو بہت قوت پہونچی ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے۔"

میرا قیام ایک ہی مہینہ ہوا تھا کہ مولانا نے داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان ہی ایام میں مولانا نے فرمایا:۔

مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ نے انتقال سے پہلے آپ کو مبارکباد کے ساتھ بڑی بشارت[1] دی ہے۔ ہماری نظر میں تو آپ اس

---

[1] اس بشارت کا ذکر انوار النظر حصہ اول میں آچکا ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ نے انتقال سے دو دن پہلے یہ تحریر لکھ کر دی تھی۔ ھنیئاً لکم، ونرجو ان ایۃ وجعلنھا وانھا ایۃ للعٰلمین

بشارت سے پہلے بھی بڑے درجہ میں تھے مگر یہ بشارت بتلاتی ہے کہ حضرت آپ سے راضی گئے ہیں اور یہ بڑی دولت ہے۔

آپ نے حدیث میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت خلافت کا معاملہ چھ حضرات کے سپرد کرتے ہوئے ان کی فضیلت میں یہی فرمایا تھا:۔

توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو عنھم راض

کہ یہ چھ حضرات وہ ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو کر تشریف لے گئے ہیں۔

پھر میرے پاس پیغام بھیجا کہ:۔

"میں اپنے متعلقین میں سے آٹھ کو قابلِ خلافت سمجھتا ہوں، آپ اور مولانا عبد القادر صاحب اور شیخ الحدیث ان کو خلافت دے دیں اور ان میں سے ایک کو میری جگہ رہنے کے لیے منتخب کر دیں۔"

ہم تینوں نے بالاتفاق مولوی محمد یوسف مرحوم کو جانشینی کے لیے منتخب کر دیا اور سب کو مولانا کی طرف سے خلافت دے دی۔ پھر مولانا نے ہم تینوں کو تبلیغ کا سرپرست بنایا اور مجھ سے

فرمایا کہ :-

"میرے لوگوں میں شغل تبلیغ کی وجہ سے ذکر کی کمی ہے
تم ان کو ذکر کی تلقین کردو اور ان سے کہدو کہ ایک مدت
تک رائپور جا کر خانقاہ میں قیام کرکے ذکر کی تکمیل کریں کیونکہ
خانقاہ رائپور میں سکون زیادہ ہے"

میں نے کہا :-

"پھر شاہ عبدالقادر صاحب ہی کو فرمادیا جائے کہ وہ
ان سب کو ذکر کی تعلیم کردیں"

فرمایا :-

"نہیں، ان پر نقشبندیت[1] غالب ہے۔ تم پر چشتیت
غالب ہے اور چشتیت اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے[2]"

چنانچہ میں نے ان حضرات کو ذکر کی تعلیم کرکے خانقاہ رائپور
جانے کی ہدایت کردی۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے بعض خلفاء کو جو اس وقت

---

[1] نقشبندیہ کے یہاں تصور شیخ پر بہت زور دیا جاتا ہے جو چشتیہ کے مذاق
توحید پر گراں ہے۔ ۱۲ [2] بشرطیکہ اتباع سنت اور اجتناب عن البدعت
کے ساتھ ہو۔ ۱۲

تھانہ بھون میں موجود تھے، اس بشارت سے پہلے مجھے کچھ خلش تھی، حضرت کے انتقال کے بعد انہوں نے مجھ سے معافی چاہی تو میں نے غالب کا یہ شعر پڑھ کر سب کو معاف کر دیا ۔

سفینہ جب کہ کنارہ پہ آ لگا غالب
خدا سے کیا گلہ، جور ناخدا کہیے

بابِ دوم

تربیّتِ باطنؒ

یہ باب مجھے اپنے قلم سے نہیں لکھنا تھا کیونکہ واقعی میں کورا کا کورا ہوں۔ میرے باطن کا کچھ تزکیہ نہیں ہوا جس کو تزکیہ کہا جاتے، اور تزکیہ والوں کو بھی تو لا تزکوا انفسکم میں دعوتِ تزکیہ سے منع کیا گیا ہے۔ سو واللہ ثم واللہ مجھے کچھ دعوے نہیں کیونکہ کچھ حاصل نہیں تو دعوے کس بات کا؟

مجھے اس باب میں صرف اپنے مربیوں کے احسانات بیان کرنا ہیں کہ گو مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا مگر میرے مربیوں نے میری اصلاح و تکمیل میں کوشش کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ ان کے کمال میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

پہلے حصہ میں یہ ذکر آچکا ہے کہ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں درسیات سے ۱۳۲۸ھ میں فارغ ہو گیا تھا۔ اسی سال اساتذہ مظاہر علوم نے حج کا ارادہ کیا اور دین کی قیمت سے ایک سو پچیس ۱۲۵ روپیہ مجھے وصول ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے مجھ پر حج فرض ہو جانے کا فتویٰ دے دیا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا۔

"میرے نزدیک تو حج فرض نہیں ہوا۔ لیکن مولانا فرماتے ہیں تو ارادہ کر لو۔"

چنانچہ میں نے ارادہ کر لیا جس کا مفصل تذکرہ آپ پڑھ چکے ہیں حج سے پہلے میں نے بیعت ہو جانا مناسب سمجھا کہ اب تک کسی بزرگ سے بیعت نہیں ہوا تھا۔ میری نظر میں اس وقت دو ہی بزرگ تھے جن سے مجھے بیعت ہونے کا خیال تھا۔ ایک حضرت حکیم الامت تھانویؒ، دوسرے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ۔

میں نے اس بارے میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ

سے مشورہ کیا، انھوں نے فرمایا کہ:-

"تم دیکھتے ہو کہ میں نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب کا دامن پکڑا ہے اور میاں ظفر! یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ ان کے یہاں بڑا کون ہے؟ مگر طریقِ سلوک میں آج حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سب سے بڑھے ہوئے ہیں"

اس پر میں نے حضرت سے بیعت کی درخواست کی تو فرمایا:-

"تمہارے گھر میں پیر موجود ہیں، ان سے بیعت ہو جاؤ اور کسی دوسرے سے بیعت ہونا چاہو تو ان سے اجازت حاصل کر کے بیعت ہو"

تو میں نے ابتدائی استادِ عربی مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی کے واسطہ سے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ:-

"میرا قلبی میلان بیعت کے لیے دو طرف ہے ایک جناب والا کی طرف، دوسرے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی طرف۔ حضرت کے نزدیک جہاں میرا حصہ ہو۔ مجھے تبلا دیا جائے"

حضرت نے فرمایا:-

"تم مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت ہو جاؤ۔ اس صورت میں مجھ سے بھی نفع پہونچتا رہے گا"

اب میں نے سہارنپور آکر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے صورتِ حال عرض کر کے دوبارہ بیعت کی درخواست کی اور حضرت نے بیعت فرما کر ذکر و شغل اور ادعیہ ماثورہ متعلقہ اوقات مختلفہ کی پابندی کا حکم دیا (مفصل حال تذکرۃ الخلیل میں مذکور ہے)

اس کے بعد میں نے حج کا سامان شروع کیا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے تیس روپیہ دیئے اور بڑی پیرانی نے گھی اور اچار چٹنی اور راستہ میں ناشتہ کے لیے بہت کچھ عطا فرمایا جو بیس پچیس روپیہ سے کم قیمت کا نہ ہوگا اور ایک بڑے ٹوکرے میں بھرا ہوا تھا۔ رفقاء سفر کو یہ سامان بہت گراں گذرا۔ مگر جب جہاز میں سب کو جھکر آیا تو اچار چٹنی اور ناشتہ کا سامان سب ختم کر دیا۔ اس وقت سب کو معلوم ہو گیا کہ بڑی پیرانی حج کر چکی تھیں ان کو ضروریات سفرِ حج کا پورا علم تھا ہمیں علم نہ تھا۔ اس لیے ہم اس سامان سے گھبرا رہے تھے۔

میرے پاس سفرِ حج کے لیے رقم بہت تھوڑی ہی تھی۔ اس لیے بعض احباب نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے عرض

کیا کہ :-

"مولوی ظفر کے پاس رقم تھوڑی ہے۔ ان کو سفر حج سے اس سال روک دیا جائے۔ آئندہ سال کریں گے۔ جب رقم کافی ہو جائے گی۔"

فرمایا :-

"ہرگز نہیں! ان کو اسی سال حج کے لیے پہنچنا ہے۔"

یہ الفاظ اس طرح فرمائے جیسے کوئی غیبی اشارہ ہو۔ اللہ تعالےٰ نے مولانا کی توجہ سے مجھے حج کی توفیق دی فَلَهُ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْرُ۔

میں تو اپنے رفقاء کے ساتھ یکم ذی قعدہ کو مکہ پہونچ گیا، پھر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرا بھی ۱۴ ذی الحجہ کو مکہ پہونچ گئے۔ حضرت کے تشریف لانے سے ہم سب کو بڑی خوشی ہوئی۔

مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی مصنف تیسیر المبتدی بھی اس حج میں شریک تھے۔ ایک دن بیر زمزم پر مولانا نے دیکھا کہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب بھی زمزم کا پانی پینے تشریف لائے ہیں میں

نے بھی مولانا کو سر پر لنگی ڈالے ہوئے ہجوم میں دیکھا۔ خیال تھا کہ پانی پی لینے کے بعد ملاقات کریں گے۔ مگر جب ہم پانی پی چکے تو مولانا غائب ہو چکے تھے۔ واپسی پر ہم نے مولانا سے اس کا ذکر کیا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نہ انکار کیا نہ اقرار۔

مولانا عبد اللہ صاحب کو میرے خوابوں پر بڑا اعتقاد تھا جب ہم حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ جانے لگے تو فرمایا:-

"مولوی ظفر! تم کو اپنا وہ خواب بھی یاد ہے کہ تم نے نحو میر پڑھنے کے زمانہ میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو جنت کی بشارت دینے کے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا کہ پڑھنے کے بعد ہمارے یہاں بھی آؤ گے؟ تم نے عرض کیا تھا۔ حضور اشتیاق تو بہت ہے۔ آپ دعا فرما دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔

دیکھو اس خواب کا کیسا ظہور ہوا کہ تم پڑھنے سے فارغ ہوتے ہی مدینہ جا رہے ہو"۔

میں نے عرض کیا۔

ہاں! خواب یاد آگیا۔ الحمد للہ خواب سچا ہو گیا"

مکہ سے مدینہ جاتے ہوتے ہیں اور مولانا عبداللہ صاحب الگ الگ دو اونٹوں پر سوار تھے۔ مدینہ سے واپسی میں ہم دونوں ایک ہی اونٹ پر تھے تو فرمایا کہ:

"تم نے ایک خواب بیٹی دیکھا تھا کہ تم اور ہم دونوں ایک ہی اونٹ پر مکہ مدینہ کے سفر میں ہیں دیکھو! اس کا بھی ظہور ہو گیا کہ ہم دونوں ایک ہی اونٹ پر ہیں۔"

سفر حج سے واپسی پر میرا تقرر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہو گیا اور میں اپنے استاد مولانا عبداللہ صاحب کی جگہ مدرس بنا دیا گیا اب میں نے درس و تدریس کے ساتھ ذکر و شغل بھی جاری رکھا اور مدرسہ کی قدیم مسجد میں امام بھی بنا دیا گیا۔ صبح کی اذان بھی میرے سپرد تھی کیونکہ میں رات کو مدرسہ قدیم کی سب سے بلند عمارت میں رہتا تھا۔

حضرت مولانا کی تاکید تھی کہ تہجد کے بعد ذکر اللہ اتنی بلند آواز سے کیا کرو کہ مجھے آواز پہنچتی رہے۔ حضرت کا مکان مدرسہ کے قریب ہی تھا۔ حضرت مولانا فجر کی سنتیں گھر پڑھ کر جماعت فجر

سے پندرہ بیس منٹ پہلے مدرسہ میں تشریف لاتے اور اپنے حجرہ کی دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ جاتے۔ خدام حاضر خدمت ہو جاتے اس وقت مولانا کی توجہ خدام کے حال پر بہت زیادہ ہوتی تھی۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل کھردیا لیا ہے کہ ادھر ادھر توجہ نہ ہے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہمہ تن متوجہ رہوں۔

بہ بھی بار ہا کا مشاہدہ تھا کہ حضرت نے جب کسی خادم کو یاد کیا وہ مضطر ہو کر جلد حاضر خدمت ہو جاتا تھا۔ بعض دفعہ میں اپنے بالائی حجرہ میں مشغول ذکر ہوتا تو دفعتہً مولانا کی طرف دل کشش ہوتی، نیچے اتر کر آتا تو دیکھتا مولانا ٹہل رہے ہیں۔ میں پوچھتا کیا مجھ سے فرمانا ہے؟ تو فرماتے:

"ہاں ایک پلنگ پر بستر بچھا دو۔ ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں"

میں فوراً بستر بچھاتا اور حضرت کے پیر دبانے لگتا۔ کبھی کسی اور کام کے لیے اشارہ فرماتے۔ عرض کہ حضرت مولانا کو میرے حال پر بہت توجہ تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا:

"ماشاءاللہ مولوی ظفر کا ذکر نفی و اثبات کامل ہو گیا ہے"

اسی زمانہ میں ایک خط میں اپنے باطنی حالات حضرت کو

لکھے تھے تو اس میں ایک نظم لکھی تھی جس کا ایک شعر یاد ہے ۔

بیا بیا وُ تماشائے خوش نظارہ کن

چہ گل شگفتہ بدل از نسیم کوئے خلیل

اس وقت قلب کی عجیب حالت تھی ۔ میری زبان میں روانی نہیں تھی ۔ طلبہ کے سامنے تو تقریر کر لیا کرتا تھا مگر مجمع عوام میں بیان کرنا مشکل تھا ۔

ایک دفعہ حضرت مولانا مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی کے سالانہ جلسہ میں تشریف لے گئے ۔ مجھے بھی ہمراہ لے لیا ۔ صوفی محمد علی گلاؤٹھی والے اور صوفی محمود حسن سہارنپوری بھی ہمراہ تھے جلسہ صبح کو ۸ بجے شروع ہونے والا تھا مگر مولانا کو نذر علی صاحب محدث رامپور کے آنے میں دیر ہو گئی ۔ ان ہی کا بیان ہونے والا تھا ۔ جب زیادہ دیر ہوئی تو مہتمم مدرسہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ مجمع کافی جمع ہو گیا ہے اور مقرر صاحب کے آنے میں بہت دیر ہو گئی ۔ حضرت خود بیان فرمائیں یا اپنے کسی خادم کو بیان کا حکم دے دیں ۔ حضرت نے مجھے حکم دیا کہ :

"مولوی ظفر ! جاؤ بیان کرو"

یہ میرا پہلا وعظ مجمع عام میں تھا ۔ اب اس کو حضرت کی کرامت

کہہ لیجئے یا تصرف باطن کہ میں نے ایک گھنٹہ مسلسل بیان کیا درمیان میں ذرا زکاوٹ نہ ہوئی۔ موضوع اعجاز القرآن تھا۔ بیان میں کچھ ایسا سماں بندھا کہ میں بھی بے خود تھا اور صوفی محمد علی تو روتے روتے بیتاب ہو گئے۔ وعظ کے بعد وہ مجھ سے لپٹ گئے اور حضرت سے عرض کیا کہ:

"میں نے تو آج ہی ان کا بیان سنا ہے۔ ماشاء اللہ بڑی تاثیر ہے۔"

حضرت نے فرمایا کہ:

"اپنے ماموں کا بھانجا ہے۔ ان ہی کا رنگ ہے۔"

ایک مرتبہ رڈکی ضلع سہارنپور کی چھاؤنی میں حضرت کو بلایا گیا۔ میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں لوگوں نے جمعہ کے بعد بیان کی درخواست کی۔ حضرت نے یہاں بھی مجھے حکم دیا۔ اس زمانہ میں رنگون کے لیے ہر طرف چندہ ہو رہا تھا۔ میں نے اسی موضوع پر تقریر کی اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ بعد وعظ کے حضرت نے فرمایا کہ:

"موقع محل دیکھ کر تقریر کیا کرو۔ یہ انگریزوں کی چھاؤنی ہے۔ یہاں جہاد کی تقریر کو وہ اپنے خلاف

بغاوت پر محمول کریں گے۔"

اب تو طبیعت وعظ و تقریر میں کھلنے لگی۔ بعض دفعہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے جلسہ میں بھی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے بیان سے پہلے مجھے تقریر کا حکم دیا جاتا تھا جبکہ حضرت کی تشریف آوری میں دیر ہوتی تھی۔

ایک دفعہ مدرسہ اشاعت العلوم بریلی کے جلسۂ سالانہ میں مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی مدعو تھے اور مجھے بھی بلایا گیا تھا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب نے اپنا خواب بیان کیا کہ "حضرت حکیم الامت تشریف لائیں گے۔" میں پہنچ گیا تو فرمایا کہ:۔

"تمہارا آنا حکیم الامت کا تشریف لانا ہے۔ میں نے حضرت کی آمد خواب میں دیکھی تھی۔ اس کی تعبیر یہ تھی کہ تم تشریف لے آئے۔"

بحمد اللہ مجھے اس کا برابر اہتمام ہے کہ وعظ و تقریر سے پہلے حق تعالیٰ سے اجازت حاصل کر کے یہ عرض کر لیتا ہوں کہ:۔

"مجھے قول و عمل میں خلوص عطا فرمایا جائے اور مجھے اور سب مسلمانوں کو جو مضمون نافع ہو وہی مجھ سے

بیان کرایا جائے۔ وماذٰلک علی اللہ بعزیز۔"

میں نے جب ۱۹۴۵ء میں اور اس کے بعد ۱۹۴۶ء میں پاکستان کے سلسلہ میں پورے متحدہ ہندوستان کا دورہ کیا ہے تو بار بار دل میں خطرہ آتا تھا کہ یہ دورہ عنداللہ مقبول ہے یا نہیں جب میں مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں پہونچا اور وہاں بیان ہوا تو ایک بڑے بوڑھے میاں جو صورت سے ذاکر شاغل معلوم ہوتے تھے، وعظ کے بعد روتے ہوئے مجھ سے لپٹ گئے میں سمجھا کہ شاید یہ حضرت حکیم الامت کے بیعت ہوں گے، حضرت کو یاد کر کے رو رہے ہیں کہ میں ان کی نشانی ہوں مگر انھوں نے بیان کیا کہ:۔

"میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ میں نے رات خواب میں اسی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ کہتے ہوئے دیکھا ہے اور تمہارا نقشہ بالکل حضورؐ کے مشابہ ہے۔"

میں نے اللہ تعالےٰ کا شکر کیا کہ الحمدللہ بارگاہ رسالت میں میرا یہ دورہ مقبول ہے۔

جب میں اس دورہ سے فارغ ہو کر سہارنپور پہونچا اور وہاں

سے دیوبند کا ارادہ کر رہا تھا کہ میرے پھوپی زاد بھائی سید محمد محتشم مرحوم مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے میرے پاس سہارنپور آگئے۔ سید محمد محتشم مرحوم نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں میرے لیے بشارت تھی۔ مولانا نے فرمایا کہ:۔

سہارنپور جا کر یہ بشارت ان کو سنا دو، شاید وہ سہارنپور سے تھانہ بھون چلے جائیں پھر دیوبند آئیں"

سید محتشم مرحوم نے خواب میں دیکھا تھا کہ:۔

"ان کے موضع نعمت پور میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف ہے اور مخلوق وہاں زیارت کو جا رہی ہے۔ میں بھی قبر شریف پر حاضر ہوا اور درود شریف پڑھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ قبر کے پاس سے دو چشمے شہد کے بہہ رہے ہیں۔ میں درود شریف پڑھ رہا تھا۔ کچھ دیر میں قبر شریف کھل گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ میں نے دست بوسی کی اور لوگ بھی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل آپ کی صورت میں تھے"!

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے فرمایا کہ:۔

"اس وقت مولوی ظفر احمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں کہ پاکستان بننے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواہش ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی صورت میں نمودار ہوئے اور نعمت پور سے مراد یہ ہے کہ آپ کو بھرپور نعمت ملے گی یا مل رہی ہے اور آپ کے ذریعہ سے دین کی حلاوت کے چشمے بہہ رہے ہیں" (یہ تعبیر مولانا شبیر احمد صاحب نے دی یا میں نے دی، اس میں شک ہے)

میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے فیض باطنی کو بیان کر رہا تھا۔ درمیان میں یہ ذکر بھی آگیا۔ میرے استاد مولانا محمد عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو میرے خوابوں پر بڑا اعتقاد تھا۔ اس سلسلہ میں چند اور خوابوں کا ذکر آگیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکتیں مجھے نصیب فرمائیں۔ آمین

میری تربیت میں حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ کو بھی بڑا دخل ہے مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت مولانا بعض دفعہ بالائی حجرہ میں میرے ساتھ مل کر ذکر

اسم ذات دو ضربی اللہ اللہ دیر تک کہا کرتے تھے۔ اس کی حلاوت آج تک مجھے یاد ہے۔

شوال ۱۳۴۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حج کا ارادہ فرمایا اور غالباً ہجرت کی نیت تھی کیونکہ مولانا شاہ محب الدین مہاجر مکی کا خط آ گیا تھا کہ آپ کا وقت قریب ہے۔ مدینہ میں مرنا چاہتے ہو تو جلدی آجاؤ۔ (مولانا شاہ محب الدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ کے خلفاء میں صاحب کشف مشہور تھے) ان کا خط آنے پر مولانا نے سفر حج کا، پھر وہاں سے مدینہ کا قصد فرما لیا۔

اس زمانہ میں احقر نے اپنے ماموں حضرت حکیم الامتؒ کی طرف رجوع کیا۔ حضرت کی طرف رجوع کرنے کے بعد جو حالات پیش آئے۔ وہ خط و کتابت کی صورت میں منضبط ہو گئے۔ کیونکہ حضرت کے یہاں ذاکرین شاغلین کی خط و کتابت تربیت السالک میں محفوظ کر لی جاتی تھی۔

حضرت حکیم الامت نے میرے خطوط کو مستقل رسالہ بنا کر "انوار النظر فی آثار الظفر" کے نام سے موسوم بھی کر دیا۔ ان

خطوط میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے مجھے سلسلۂ چشتیہ میں اجازت (اور خلافت) سے بھی نوازا ہے۔

اس وقت تک حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سفر حرمین سے واپس نہ ہوئے تھے۔ میں حسب معمول شوال ۱۳۳۴ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں اپنی جگہ پر حاضر ہوا، تو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مبارکباد دی کہ مولوی ظفر! مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی طرف سے اجازت اور خلافت سے نواز دیا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ:-

"پوری مبارک باد تو جب ہو گی کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھی اس کی تصدیق فرما دیں"

فرمایا:-

"وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ تصدیق فرما دیں گے اور تمہارا شیخ تو میں بھی ہوں۔ میں تم کو اپنی طرف سے اجازت و خلافت دیتا ہوں"

میں نے عرض کیا :-

"واقعی آپ بھی میرے شیخ ہیں۔ آپ کی طرف سے اجازت و خلافت بھی میرے لیے بڑی نعمت ہے، جس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔"

افسوس کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب جلد ہی ہیضہ میں مبتلا ہو گئے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے بمبئی پہونچنے کا تار اس وقت آیا، جبکہ مولانا عالمِ آخرت کو تشریف لے جا چکے تھے اور جنازہ تیار تھا۔

مولانا نے اس رات میں جس کی صبح کو اشراق کے وقت آپ کا انتقال ہونے والا تھا، بڑی تاکید سے مجھے اپنے مکان پر سونے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں مولانا ہی کے قریب رات بھر رہا۔ آخری وقت میں بھی سامنے ہی حاضر تھا۔ سورۂ یٰسین پڑھ رہا تھا اور مولانا کے قلب کی طرف متوجہ تھا۔

مولانا نے مرید بہت کم کیے۔ ایک مسماۃ ہاجرہ خاتون کاندھلہ میں آپ سے بیعت تھیں اور بڑی صاحبۂ احوال تھیں۔ انہوں نے مولانا کو انتقال کے بعد عالمِ واقعہ میں دیکھا تو شکایت کی کہ :-

"آپ نے آخری نظر مولوی ظفر پہ ڈالی، مجھ پر

نہ ڈالی۔"

فرمایا :-

"یہ میرے اختیار کی بات نہ تھی" (سمعتہ من مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مکہ سے واپس بمبئی پہنچے تو حکومت کی طرف سے نینی تال طلب کر لیے گئے۔ ہفتہ عشرہ کے بعد سہارنپور واپس آتے تو حضرت حکیم الامت نے مجھ سے فرمایا کہ :-

"جن خطوط میں تم کو میں نے سلسلۂ چشتیہ میں اجازت دی ہے۔ وہ حضرت مولانا کے سامنے پیش کر دینا۔ امید ہے حضرت بھی موافقت فرمائیں گے۔"

بندہ نے وہ سب خطوط پیش خدمت کر دیئے تو فرمایا :-

"ابھی اس اجازت کو قبل از وقت سمجھو اور برابر کام میں لگے رہو۔"

ایک سال کے بعد جب میں گڑھی پختہ سے سہارنپور حاضر ہوا (اس وقت میں نے مدرسہ مظاہر علوم سے ایک سال کی رخصت لے کر مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ میں قیام کر لیا تھا۔

دیہات کی آب و ہوا میں کچھ دن رہنے کی ضرورت تھی۔ حضرت سے اپنے حالات عرض کیے اور اسی درمیان میں اپنی نااہلی پر رونے لگا تو حضرت نے فرمایا :۔

" تم اپنے کو محروم نہ سمجھو۔ الحمد للہ نسبت باطنہ حاصل ہے "

میں نے عرض کیا کہ :۔

" ایک سال پہلے تو آپ نے فرمایا تھا کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی اجازت کو قبل از وقت سمجھو "

فرمایا :۔

" میں اس وقت سفر حجاز سے آیا تھا۔ تمہارے حالات میں غور کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ اب میں نے غور کر لیا ہے۔ مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے نسبت باطنہ سے نواز دیا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی اجازت کو صحیح سمجھو۔ اللہ تعالیٰ مزید برکت اور ترقی عطا فرمائیں "

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، ورنہ واللہ میں اس

قابل نہ تھا ۔

جو کچھ کہ ہوا، ہوا کرم سے تیرے

جو کچھ ہو گا ترے کرم سے ہو گا،

اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی بشارت کو پورا فرمائیں وما

ذالک علی اللہ بعزیز ۔

اب وہ خط و کتابت درج کی جاتی ہے جس کا نام حضرت حکیم الامتؒ نے "انوار النظر فی آثار الظفر" تجویز فرمایا ہے۔ میں نے اپنی ساری سوانح کو یہی نام دے دیا ہے جو دو حصوں میں آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگوں کی برکت سے اس ناکارہ کو بکار بنائیں اور آخرت میں ان حضرات کی معیت و رفاقت سے نوازیں۔ آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

انوار النظر
فی
آثار الظفر

آثار غلبہ توحید و فنا و عبدیت و تمکین بعد التلوین و فرق ما بین نسبت و ملکہ یادداشت وغیرہ

چونکہ یہ ایک ہی ذاکر کے خطوط تھے اور ان میں بعض مضامین اہم اور نافع تھے۔ لہٰذا ان کو سلسلہ وار درج کیا جاتا ہے اور ان کا ایک مستقل نام بھی رکھ دیا گیا۔

خطِ اوّل[1]

مخدومی و سیدی، سندی، مولائی، مستندی، غیاث الطالبین،
عون المسترشدین، لازالت سحب الطافکم علینا ماطرۃ، آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گذارش خدمت سراپا خیر و برکت میں یہ ہے کہ آج کل بہ برکت صحبتِ حضرت والا، الحمدللہ اس احقر پہ لقاء اللہ کا اشتیاق بہت غالب رہتا ہے۔ کسی چیز کو دیکھ کر جی خوش نہیں ہوتا کہ جب تک دیدارِ حق نصیب نہ ہو۔ لاکھ چیزیں دیکھ بھی لیں تو کیا؟

بعض مرتبہ قلب کو یہ بے چینی ہوتی ہے کہ اگر معاذ اللہ حق تعالیٰ شانہٗ ہم سے بعید ہوتے تو اس قدر اضطراب نہ ہوتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ وہ قریب ہیں اور دور میں ہی ہوں اور اس وقت اکثر یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

واشد ما یلقی المحب من الھوی
قرب الحبیب ولا یکون بلاق

---

[1] یہ خطوط تبویب تربیت السالک کے صہ ۱۹ سے صہ ۴۲ تک تو مسلسل درج ہیں اس کے بعد جس صفحہ سے نقل کیے گئے ہیں۔ اس کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ ۱۲۰ ظ

ہر وقت ایک دھن لگی رہتی ہے (اللہم زد فزد) کہ لقاء رب کا کونسا وقت ہوگا؟ بعض دفعہ یہ بدن نظر میں خانہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر یہ قید نہ ہوتی تو روح مجرد ہو کر لقاء رب تعالیٰ حاصل کرتا پھر رضاء اللہ تعالیٰ پر راضی ہوتا ہوں کہ جب تک یہ قید مقدر کر رکھی ہے، بسر وچشم منظور ہے مگر اس قید سے رہا ہو کر خدا کرے میں محجوبین میں سے نہ ہوں۔ استغفر اللہ واعوذ باللہ من ذلک اس خطرہ سے زیادہ مجھے کوئی خطرہ نہیں کہ کہیں خدانخواستہ بعد موت کے حجاب نہ ہو جائے۔

تحقیق: یہ خطرہ عین ایمان ہے اور یہی بشارت ہے عدم حجاب کی۔ قال تعالیٰ اَلَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ۔

حال: اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ لَذَّۃَ النَّظْرِ اِلٰی وَجْھِکَ الْکَرِیْمِ وَ شَوْقًا اِلٰی لِقَائِکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ تَصُدَّ عَنِّیْ وَجْھَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

تحقیق: آمین۔

حال: حضرت میرے لیے دعا تے استقامت واستدامت علی حب اللہ تعالیٰ وعلی اطاعتہ فرمائیں۔

تحقیق: بدل و جان۔

حال: اور میرے حال زار پر توجہ فرمائیں۔

تحقیق: بلا درخواست ہی (توجہ) ہے۔

حال: میں کچھ نہیں، واللہ کسی لائق نہیں، لیکن خدا کا شکر ہے، کہ اول آستانۂ خلیل پھر اس آستانہ کی جبہ سائی نصیب ہوئی۔

تحقیق: بفضلہ تعالیٰ وہاں استعداد قریب اور یہاں اس کا ظہور ہوا فذلک کدورۃ الصدیقؓ و ھذا کدورۃ الفاروقؓ وللاول فضل ظاھر علی الثانی واما من اللہ تعالیٰ باداء الامانۃ یعنی اعطاء کل ذی حق حقہ فیقدم المقدم و یؤخر المؤخر والکل واحدٌ۔

حال: اپنے حالِ زبوں سے روتا ہوں تو اس سے کسی قدر خوش بھی ہوتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے واصلین سے وابستہ کر رکھا ہے والحمد للہ علی ذٰلک۔ ایک دن ان کی برکت سے مجھے بھی وصول ولقاء اللہ حاصل ہو جائے ؎

بود موری ہوسے داشت کہ در مکہ رسد

پائے بر دست کبوتر زد و ناگاہ رسید

اے خسرو خوباں نظرے سوئے گدا کن
رحمے بمن سوختہ بے سروپا کن!

آج کل ذکر میں تصورِ نور وغیرہ مجھ سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اس سے طبیعت الجھتی ہے صرف تصورِ ذاتِ بسیط کرتا ہوں۔

تحقیق: الحمد للہ یہ عین مذاق حضرت مرشدؒ ہے اور یہی بالکل میرا وجدان ہے۔

حال: اس کے بعد خود بخود بلا تصور قلب میں ایک سفید روشنی محیط سی معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق: وہ مذاق اس کو بھی مغلوب کر دے گا۔

حال: بعد سحری کے قدرے گرانی معلوم ہوتی ہے تو آج کل ذکر نفی و اثبات کا وقت بعد مغرب قبل از طعام مقرر کر لیا ہے مگر مجھ میں تلون بہت ہے۔ اب رمضان میں وقت ذکر کا قدرے منضبط ہے مگر شوال میں کارِ تعلیم میں مشغول ہو کر دیکھیے پھر کیا ہو؟ اور جو خدانخواستہ کوئی بیماری ہو جاتی ہے پھر تو کوئی انضباط ہی نہیں رہتا۔

تحقیق: کچھ فکر نہ کریں۔ یوں ہی کیے جائیں، محرومی نہ ہوگی۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

تا دمِ آخر دمِ آخر بود!
کہ عنایت با تو صاحب سر بود

دوست دارد دوست ایں آشفتگی
کوششِ بیہودہ بہ از خفتگی

حال: پہلے مجھے حضرت شیخ کے ساتھ اور کچھ عرصہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت غلبۂ محبت رہا۔ حضرت شیخ کی صورت دیکھ کر تاب نہ رہتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر رو دیا کرتا اور درود شریف کا بہت خیال رہتا تھا۔

اب تو صرف تصورِ ذاتِ بسیط میں دل لگتا ہے۔ دل میں اسی کی دھن ہے۔ سب محبتیں مغلوب معلوم ہوتی ہیں۔

تحقیق: مبارک ہو یہی ہے غلبۂ توحید۔ یہی ہے غلبۂ تنزیہ اور یہ غلبہ ظاہراً تو ان پہلی محبتوں کا ضعیف کرنے والا ہے۔ لیکن درحقیقت ان محبتوں کا بھی قوی کرنے والا ہے۔

چنانچہ مواقع امتحان میں اس کا امتحان ہوتا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ وہی محبتیں تو موصل ہوئیں اس دولت کی

طرف، اور ظاہر ہے کہ مقصود جتنا عظیم ہوگا۔ اس کے وسائل کی
بھی اسی قدر وقعت ہوگی۔ البتہ خود مقصود کے مقابلہ میں وسائل
مغلوب ہوں گے۔ پس مقصود کے اعتبار سے تو ضعیف اور
وسائل کے تعلقِ سابق کے اعتبار سے اب کا تعلق بھی قوی۔

حال: زیادہ عرض کیا کروں، دل بے چین ہے۔ وصال حق کی صورت
نظر نہیں آتی۔

تحقیق: اگر تشبیہ کا غلبہ ہوتا تو اسی وقت وصال کا اعتقاد اور حال
ہوتا گو وصال عریاں نہ سہی، اور یہ حالت ناقص ہوتی۔ وصال نظر
نہ آنا علامت ہے غلبۂ تنزیہ کی جو مشرب و مسلک ہے حضرات
انبیاء علیہم السلام کا اور ابلغ فی القرب ہے۔

پس یہ عدمِ وصال ہی معنی وصال ہے۔ پس اس معنی کی جو
صورت ہوگی وہ نہایۃ الوصال ہے گو عاجل نہیں آجل ہے،
مگر کامل ہے اور اہل تشبیہ کا وصال جو نقد ہے وہ مشابہ وصال
ہے۔ وصال نہیں اور جو آجل ہوگا وہ ایسا کامل نہ ہوگا۔ پس
یہ حق تعالیٰ کی تمام نعمت ہے۔

خطِ دوم

حال: حضرت اقدس سیدی، سندی، مولائی، مستعدی، غیاث الطالبین وعون المسترشدین، ہادی الضالین، قطب الواصلین لا زالت سجار کرمکم زاخرۃ وشابیب فضلکم علی ماطرۃ آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والانامہ سامی بجواب عریضہ احقر صادر ہوا جس کے پڑھنے سے بے اختیار بکا طاری ہوا۔ نہ معلوم اس کے حرف حرف میں کیسی آگ بھری تھی کہ دل کو اور بھڑکا دیا اور پہلے شوق میں اور زیادتی ہوگئی۔ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

تحقیق: بارک اللہ فی استعدادکم فان القابل اذا کان کاملا فی قابلیتہ یتاثر من کل فاعل ولو لم یکن کاملا فی فاعلیتہ لکن الالیق بالقابل ان یعتقد الکمال فی الفاعل فانہ ینفعہ ہذا الاعتقاد

حال: کل ذکر کرتے وقت صاف یہ معلوم ہو رہا تھا کہ غالباً آجکل حضرت کے قلب میں کوئی نئی بات پیدا ہو رہی ہے جس کا اثر بوجہ ضبط کامل کے حضرت پر ظاہر نہیں ہوتا اور احقر پر اس کا اثر پڑ رہا ہے کہ دل لقاء اللہ کے اشتیاق میں بے چین ہے

تحقیق : ماشاء اللہ نہایت صحیح ادراک ہے مجمل عنوان اس حالت کا مشاہدہ عجز وضعف وغلبۂ انکسار وافتقار وفنا دعویٰ حالاً ہے جو اسباب و نیز آثار ہیں عبدیت کے لیکن مفصل حقیقت و حکمت اس کی بہت نازک ہے کہ ہر شخص اس کے سمجھنے بلکہ سننے کے بھی قابل نہیں تم کو اپنا محرم سمجھ کر تم سے خود کہنے کو تھا مگر بعد رمضان۔ لیکن چونکہ تمہارے قلب کو بوجہ کمال تناسب اس کا ادراک منجانب اللہ ہوگیا۔ اس لئے اب جلدی ہی کہہ دوں گا۔

اگر تم سے بھی احتمال غلط فہمی کا ہوتا تو تم سے بھی نہ کہتا مگر ایسا احتمال نہیں بلکہ اس نازک حالت میں جو بعض غوائل محتملہ ہیں تم سے ظاہر کرنے میں ان کا ارتفاع بھی متوقع ہے کہ تم اس ارتفاع کا واسطہ بن سکتے ہو۔ فانتم فیہ مفتاح الخیر۔

حال : آج کل حضرت کے قلب سے میرے قلب کی طرف فیضان ظاہر طور پر معلوم ہوتا ہے اور ذکر کے وقت اس کا ظہور زیادہ ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز حضرت کے قلب سے میرے قلب کی طرف آ رہی ہے۔

تحقیق : یہ وہی حالت مذکورہ ہے مگر بہ تبدل لون حسب اختلاف المحال والاحوال۔

حال : حق تعالیٰ شانہٗ حضرت والا کو بہت بہت

جزائے خیر عطا فرمائیں کہ اس بے چینی کے وقت دستگیری فرما رہے ہیں۔ ورنہ نہ معلوم میرا کیا حال ہوتا۔ الحمد للہ وصال حق کے لیے دل میں بے چینی اور اشتیاق تو ہے مگر تقاضا اور عجلت کا مضمون نہیں۔

تحقیق: یہ برکت ہے اپنے اکابر کی تلقین کی۔ قال الشیخ عبدالحق الردولوی شیخ مشائخنا منصور پنجہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد وایں جامردانند کہ دریاہا فرو برند و آروغے نزنند۔ النور ص ۲۴۹

حال: اگر حضرت حق کو اسی بے چینی میں رکھنا منظور ہو تو بسر و چشم منظور ہے۔ راضی ہوں۔ رضا کا طالب ہوں اور اگر باب وصال مفتوح ہو جائے تو زہے قسمت۔ وہ تو اصلی حالت ہے جس کی طرف فطرتاً دل کو میلان ہے کیونکہ پہلے تو وصال ہی وصال تھا۔ فراق کا نام نہ تھا۔ یہ فراق بعد میں طاری ہوا۔ دیکھیے اس فراق کے بعد پھر وہ دولت وصال و نعمت حضور نصیب میں ہے یا نہیں ؎

اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا؟
سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

تحقیق: گو یہ حال خاصہ جس کا منشا ہے غلبۂ رضا فی نفسہٖ عالی

ہے۔ مگر بعد انضمام اقتدار اس لون سے اکمل دوسرا لون ہے ۔

اگر بخشیں زہے یاری نہ بخشیں تو کروں زاری
کہ اس بندہ کی کیوں خواری مزاج یار میں آئی

حال: ثم اقول بقلب کئیب وصوت حزین ۔

تری ھل یعود الشمل بعد لفرق
مشتت قلب المستھام طویل
نیا لیت امی لم تلدنی ادانی
شفیت بینبوع الوصال غلیلی

تحقیق: یا من حسن الظن بالله ھکذا ۔

الا انی یعود الشمل بعد لفرق
مشتت قلب المستھام طویل
فیا در امی ولدتنی لا دنی
سا شفی بینبوع الوصال غلیلی

حال: اس وقت بجز ذکر و تلاوت قرآن کسی چیز کو جی نہیں چاہتا
نہ کتابت کو نہ اختلاط بالناس کو پھر ارشاد ہو بجا لاؤں۔

تحقیق: میں نے خود اس کو پسند رکھا ہے۔ گو عمل کی ہمت نہ ہو
تم کو اس کے خلاف کیا بتاؤں؟

حال: ایک قابلِ عرض یہ ہے کہ جن حالات پر حضرت کوئی بشارت تحریر فرماتے ہیں۔ ان کے اظہار و نقل فی کتاب التربیت سے قلب میں ندامت طاری ہوتی ہے اور شرم آتی ہے کہ کس منہ سے اس کو ظاہر کروں۔ بائے میں تو کسی لائق بھی نہیں۔ واللہ کچھ نہیں یہ حضرت کے کلمات بشارت۔ سچ یہ ہے کہ محض فضلِ خداوندی ہے اور حضرت کی برکت ورنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل؟

نسیمِ صبح، تیری مہربانی،

جی یوں چاہتا ہے کہ میری بلا اطلاع .... صاحب نقل فرما دیا کریں۔ ان سے اس قدر حجاب نہیں آتا۔

تحقیق: ہے تو بہت بہتر مگر وہ ذرا سست ہیں لیکن تاکید کر کے نقل کرا لیا کروں گا۔ جو جو تحریریں نقل نہ ہوئی ہوں، مجھ کو دے دو میں ان کو نقل کے لیے دے دوں۔ رمضان ۴۷ھ

خطِ سوم

حال: اس وقت دوپہر کو بین النوم والیقظہ یہ معاملہ دیکھا کہ میں نے حضرت والا کو اپنا کچھ حال لکھ کر دیا ہے جس میں حضرت نے سب باتوں کا

جواب تو عطا فرمایا۔ ایک بات کچھ صاف لکھی ہوئی نہ تھی۔ حضرت اُس کا مطلب مجھ سے دریافت فرمارہے ہیں۔ اس وقت میں ایک پل پر کھڑا معلوم ہوتا ہوں اور حضرت کے سامنے اس بات کا مطلب عرض کر رہا ہوں کہ:۔

"پہلے تو کچھ راستہ نظر بھی آتا تھا۔ اب تو میری ایسی حالت ہے کہ میں اپنے کو کافروں سے بدتر پاتا ہوں"

اس وقت میرے بدن پر بہت سخت رعشہ طاری تھا اور بے تابی کی حالت میں یہ الفاظ کہہ رہا تھا کہ:۔

"مجھے تو قرآن پڑھتے ہوئے ڈر لگتا ہے، حدیث سے ڈر لگتا ہے۔ کیونکہ سب میں کفار کی مذمت و وعید ہے اور میں ان سے بھی بدتر ہوں"

تحقیق یہ غلبہ ہے عبدیت و فنا کا اور ظہور ہے اس سے پہلے واقعہ کا کہ یہ معلوم ہوا تھا کہ احقر کے قلب میں کوئی کیفیت ہے اور وہ آں عزیز کی طرف منتقل ہو رہی ہے اور جواب میں اس کیفیت کی ہی تعیین کی گئی تھی (ملاحظہ رسالہ النور ماہ جمادی الاخری ۱۳۶۰ھ ص ۱۴ سطر ۱۲۔ کل ذکر کے وقت صاف یہ معلوم ہو رہا تھا۔ الی آخر جواب مدیر۔)

حال اس کے بعد میں نے ایک ہندو کے لڑکے سے جو بہت ہی ذرا سا بچہ تھا کہا "وہ کتاب لے آؤ جس میں حالات نقل ہوتے ہیں" وہ لڑکا گیا اور بوجہ کتاب کے ثقیل ہونے کے روتا ہوا اس کو لا رہا ہے اور حالانکہ اس وقت میں اس کے قریب آ گیا مگر اس نے وہ کتاب اسی پُل کے قریب پہونچائی۔ اس وقت میں نے بڑے زور سے چیخ ماری کہ اس بچہ نے ایک بندہ کے کہنے سے اپنی ہمت سے زیادہ کام کیا اور ہم نے خدا و رسول کے احکام سہلہ کو بھی نہ پورا کیا اور سب عہد و میثاق بھول گئے۔

تحقیق ہندو کے لڑکے کو اس حالت میں دیکھنا غالباً بشارت ہے غلبۂ اسلام کی اور اپنے کو اس حالت میں دیکھنا وہی فنا اور عبدیت ہے۔

حال اس کے بعد کسی نے کہا، اس کو زیارت کراؤ۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی، اس کو زیارت کراؤ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی، اس کو زیارت کراؤ حضرت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ یہ اسماء مبارکہ بالترتیب لیے گئے اور بالترتیب جلدی جلدی ان سب حضرات کی زیارت نصیب ہوئی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔ عجلت اس قدر ہوئی کہ حسرت ہی رہی

کہ کاش حضور سے زیادہ دیر تک شرفِ زیارت حاصل ہوتا۔
تحقیق یہ زیارت اشارہ ہے سب حضرات کے مقامات کے حصول کی طرف اور جلدی جلدی ہونا اشارہ ہے اس حصول میں توقف نہ ہونے کی طرف (مبارک ہو)
حال زیارت کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس احقر کے پاس تشریف لائے اور دیر تک منظوم اشعار میں حضرت والا کی مدح فرماتے رہے اور عجیب بات یہ کہ اول تعریف شیخ کامل اور رہبر طریق ہونے کی فرمائی اور پھر حلیہ اور شمائل تک کی تعریف فرمائی۔
تحقیق چونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہیں اور احیاء سنت حکماً شہادت ہے جو اس وقت وقوع میں آیا نیز شہادت سے قبل مجاہدہ ہوتا ہے اور اس وقت کے واقعات سب مجاہدات ہیں اس سبب سے غالباً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روحِ طیبہ سے کچھ مناسبت و قرب زیادہ ہو گیا ہو تو عجب نہیں اور رہبرِ طریق ہونے کے متعلق فرمانا شاید اس لیے ہو کہ اہلِ اعتراض کی باتوں سے کچھ شبہ نہ پڑ جائے
حال اس کے بعد میرے کان میں ایک بات فرمائی جو گویا خاص طور پر نصیحت تھی کہ گنگوہ والے پیر جی کی باتوں پر نہ جانا۔ ان لوگوں

کو نہ کشتی کا پتہ ہے نہ دریا کا اور تم بحرِ فنا میں بدون کشتی کے تیرتے جا رہے ہو

تحقیق غالباً ان باتوں سے مراد وہی حکایات و شکایات ہیں جن سے

طبعاً تکدّری کا احتمال ہو سکتا تھا اور اس میں تسلّی کر دی گئی اور کشتی سے

مراد وسائط موافقہ عرفیہ ہیں اور یہاں یہ مرحلہ طے ہوا ہے وسائط مخالفہ

عرفیہ سے اس لیے بدون کشتی فرمایا گیا۔

حال اس وقت دریائے فنا عجیب وسعت کے ساتھ مشاہد ہوا اور

میں نے اپنے آپ کو اس میں سکون و اطمینان کے ساتھ تیرتا ہوا دیکھا۔

تحقیق مبارک ہو۔

حال اس دریا کے چاروں طرف نیلگوں ابر سا محیط معلوم ہوا اور عجیب

ٹھنڈک دل میں محسوس ہوئی۔

تحقیق یہ سکینہ ہے جو قلب میں نازل ہوتا ہے۔ نیلگوں رنگ طبعاً نظر کو

فرحت بخشتا ہے یہ اشارہ اس سکینہ کے موجبِ فرح ہونے کی

طرف اور بشکل ابر دیکھنا اشارہ ہے اس کے محیط ہونے کی طرف

اور ٹھنڈک اس کا اثر ظاہر ہے۔

خطِ چہارم

حال رات نوافل میں حضرت والا کے پیچھے چوتھی رکعت کے قعدہ

میں کچھ غنودگی طاری ہوگئی تھی۔ اس حالت میں ایک رقیق ابر محیط معلوم ہوا اور اس میں سے بارش کے قطرے میرے اوپر گرے جن سے گھبرا کر میں نے آنکھیں کھول دیں کہ شاید بارش آگئی مگر جب سلام کے بعد آسمان کو دیکھا تو بالکل صاف تھا، بادل کا نام بھی نہ تھا۔

تحقیق سکینۂ غیبی تھا۔

غیب را ابرے و آبے دیگر است
آسمانے آفتابے دیگر است

حال آج کل وہ بے چینی اور بیتابی جو پہلے تھی، نہیں رہی۔ سکون کے ساتھ حب الٰہی دل میں بڑھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق مبارک ہو زادہ اللہ تعالیٰ۔

حال پھنسی کی تکلیف میں ایک لطف اور حظ آتا ہے، سچ ہے ؎

درد از یار است و درماں نیز ہم
دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

تحقیق یہ دلیل ہے بفضلہٖ تعالیٰ حب الٰہی کی۔ ع

از محبت تلخہا شیریں بود!

خطِ پنجم

حال آج رات نماز و ذکر میں قلب کو بے حد سرور حاصل ہوا جس کا اثر اب تک بہت موجود ہے۔ توجہ الی اللہ خاص طور پر رات بہت زیادہ تھی۔

تحقیق مبارک ہو۔

حال حالتِ غنودگی میں ابر محیط کا منظر معلوم ہوتا تھا، کیا یہ انوار شب قدر کے تھے یا کوئی اتفاقی کیفیت تھی؟ ۲۹، رمضان ۳۲ھ

تحقیق دونوں احتمال ہیں۔ شب کو وجدان ابتدا ہی سے شاہد تھا کہ آج شب قدر ہے۔ اگر شب قدر نہ تھی تو انوار قرآنیہ تھے۔

خطِ ششم

حال رات بعد مغرب میں ذکر حضرتِ والا کی مسند کے پاس بیٹھا ہوا کر رہا تھا کہ قلب میں بہت نورِ معلوم ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ثقیل چیز قلب میں آگئی جو بہت کچھ موجبِ سرور ہوئی۔ والسلام

تحقیق میرے وجدان میں یہ نسبت تمکین ہے جو بعد تلوین عطا ہوتی ہے مبارک ہو۔

خطِ ہفتم

مخدومی حضرت اقدس سیدی مولائی، ثقتی و رجائی دامت برکاتہم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار
کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردۂ تست

میں حضرت والا کی توجہات کا شکریہ کس زبان سے اور کس قلم سے ادا کروں۔ ع

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو

جب سے حضرت والا کی مبارک تحریر صادر ہوئی۔ ایک اطمینان اور سکون کی کیفیت پہلے سے بھی زیادہ ہے اور رغبت الی الطاعات و نفرت من المعاصی قلب میں بہت زیادہ ہے والحمد للہ علی ذالک۔ یہ سوموں ذکر کے وقت شدید غلبہ کے ساتھ یہ بات قلب میں خود بخود آئی تھی کہ الحمد للہ نسبت قلب میں القاء ہو گئی۔

تحقیق یہ صحیح ہے۔

حال مگر ایک حیرت سی بھی کہ یا اللہ کیا یہ دولت اس طرح بے گمان مجھ جیسے نالائق کو بھی حاصل ہو سکتی ہے ؟ یہ خیال بار بار عود کرتا اور میں اس کو بار بار دفع کرتا۔ ع

چراغِ مردہ کجا نورِ آفتاب کجا ؟

بارے حضرت سے عرض کیا اور حضرت کے وجدان نے بھی اس خیال کی تصدیق فرمائی۔ حضرت والا! کیا جس وصال کا میں متمنی تھا وہ مجھے نصیب ہو گیا ؟

تحقیق ہاں۔ آگے اللہ تعالیٰ اس کے درجات غیر متناہیہ میں ترقی فرما دے۔

حال اتنا اثر تو پاتا ہوں کہ دل میں سکون اور چین ہے۔ بیتابی اور بے چینی نہیں۔ اس سے زیادہ یہ کہ قلب میں ایک نئی چیز پاتا ہوں جو پہلے نہ تھی۔ حضرت والا! کیا اسی کا نام نسبت ہے ؟

تحقیق ہاں! وہ یہی ہے جس کی طلب میں ایک عالم حیران و پریشان ہے۔

حال میں بجز اس کے کہ شکر بجا لاؤں اور اپنے آپ کے محبوب میں فنا کر دوں، کیا کر سکتا ہوں ؟

تحقیق یہ بھی کوئی کیا کرے گا۔ یہ بھی وہی کریں گے جن کے لیے تم ایسا کرنا چاہتے ہو۔

حال اس وقت بے ساختہ یہ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے ؎

مجھ پہ یہ لطف فراواں، میں تو اس قابل نہ تھا
تیری اس رحمت کے قرباں، میں تو اس قابل نہ تھا
بے تہی دست ازل بھی تیرے در سے اے کریم
لے چلا ہے بھر کے داماں میں تو اس قابل نہ تھا

تحقیق خدا کرے، یہی اعتقاد عدم قابلیت مع المقبولیت مستمر رہے۔

حال حضرت والا کی توجہات اس احقر کو تا ابد یاد رہیں گی۔

تحقیق میں کیا اور میری توجہ کیا، یہ سب فضلِ حق ہے۔

حال اور اس کے عوض بجز اس کے کہ اپنی ناچیز جان پیش کر دوں، اور کچھ پاس نہیں پاتا۔ غلام ہوں، فرزند ہوں، پروردۂ نعمت ہوں جب اور جس وقت جو ارشاد عالی ہو، یہ غلام خدمت عالی میں جان و مال سے حاضر رہے گا۔

تحقیق میں تو ان سب سے بڑھ کر چیز چاہتا ہوں یعنی دعا و سفارش بدرگاہ حق۔

حال مگر حضور والا! اس وقت مجھے پہلے سے زیادہ توجہ کی

ضرورت ہے۔ نسبت کی پختگی اور اس کی مقبولیت بھی برکت شیخ ہی سے ہوگی۔ میرا نہ حصول میں دخل تھا، نہ آئندہ ہوگا۔

تحقیق دعا کرتا ہوں باقی بڑی چیز جو اس کی حافظ ہے اد امت عمل ہے۔

حال حضرت والا کل سے جس وقت سے تحریر سامی صادر ہوئی کہ میرے وجدان میں یہ نسبت تمکین ہے جو بعد تلوین عطا ہوتی ہے مبارک ہو۔ قلب پر ایک خوشی سی ہے یہ مذموم تو نہیں۔

تحقیق قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا میں اسی خوشی کا غودامر ہے۔ عجب اور چیز ہے جس کی ممانعت ہے تو تفرح۔

حال عرض کرتا ہوں تو عجب تو معلوم نہیں ہوتا کیونکہ واللہ میں اسے محض فضل الٰہی سمجھے ہوئے ہوں۔ اپنی نا قابلیت سے بے خبر نہیں ہوں۔

تحقیق ٹھیک ہے یہی معیار ومابہ الفرق ہے فرح شکر و فرح بطر میں۔

حال واللہ یہ محض توجہ خلیلی و اشرفی فضل رب العالمین ہے فلہ الحمد اولاً و آخراً و اشکرہ شکراً جزیلاً متواتراً وصلی اللہ علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وجزی اللہ عنی سیدی ومرشدی مولانا الخلیل رح وسیدی ومولائی مولانا اشرف علی رح جزاءً کاملاً متواتراً ومتکاثراً فی الدنیا والدین آمین۔

خط ۶ شتم

حال حضرت اقدس سیدی سندی مولائی مستندی ثقتی ورجائی لازالت
شابیب کرمکم علی ماطرۃ آمین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
بعد تسلیمات بصد تعظیمات گذارش آنکہ الحمد للہ ببرکت انفاس قدسیہ
آنحضرت احقر کی حالت رو باصلاح ہے آج کل بحمداللہ مجھے کسی طاعت
کے لیے قصد و ارادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دل میں خود بخود ہر
کام کا تقاضا پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل میں کوئی تقاضا کرنے
والا بیٹھا ہوا ہے۔ ہر کام میں بہت زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے۔ پہلے قرآن
کریم کی تلاوت میں اس قدر جی نہ لگتا تھا جس قدر ذکر میں لگتا تھا۔ اب الحمد للہ
کہ تلاوت قرآن میں ایک خاص حلاوت پاتا ہوں۔
تحقیق یہ بھی اسی تمکین و انتہا کی علامت ہے۔ اللہ تعالے زیادہ رسوخ
عطا فرمادے۔
حال مگر اس کی ساتھ یہ کمی بھی محسوس کرتا ہوں کہ پہلے کسی چیز پہ نگاہ پڑتی
تو وہ ہیچ اور کالعدم معلوم ہوتی تھی۔ اپنا جسم بھی بعض دفعہ خواب وخیال

معلوم ہوتا تھا اور اپنے وجود کے تصور سے ندامت ہوتی تھی۔ اب یہ حالت اس غلبہ کی ساتھ نہیں پاتا صرف ذوقاً و عقلاً ہر چیز کی فنا و اضمحلال متصور ہوتی ہے وہ حال جو پہلے غالب تھا، اس میں کمی ہوگئی۔

تحقیق چونکہ تمکین کے لیے نزول لازم ہے اور نزول میں بقاء بعد الفناء ہوتا ہے۔ وہ پہلے آثار فنا کے تھے اور یہ آثار بقاء کے ہیں۔ اس لیے ایسا ہونا اس وقت لازم ہے۔ یہ دوسری علامت ہے حصول تمکین کی۔

حال الحمد للہ اخلاق رذیلہ اب اپنے اندر بہت کم پاتا ہوں تکبر و ریار تو گویا بالکل نہیں رہے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

تحقیق اللّٰھم بارِک۔

حال اس وقت احقر کے لیئے تکثیرِ ذکر زیادہ مناسب ہے یا تکثیرِ تلاوت قرآن یا تکثیرِ نوافل۔ دلبستگی قریب قریب سب میں یکساں ہے اور سہل الحصول ذکر سب میں زیادہ ہے۔

تحقیق غالب ذکر کو رکھو اور تلاوت اور نوافل کا حصہ بھی بقدر مسنون مقرر کرلو۔

حال اس وقت مراقبات کی طرف طبیعت زیادہ راغب معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق تھوڑی دیر یہ بھی سہی۔

حال اب تک مراقبہ پاس انفاس کرتا رہا۔ مگر اب انفاس کی طرف خیال کرتے ہوئے غیرت آتی ہے کہ غیر اللہ کی طرف کیوں توجہ صرف کی جائے
تحقیق الحمد للہ یہ خاص میرا ذوق ہے اور میں اس کو آثار غلبہ توحید سے سمجھتا ہوں۔

حال کوئی مراقبہ حضرت تجویز فرمادیں تو کرلیا کروں۔
تحقیق مراقبہ مع الشغل کا ایک طریق سلطان الاذکار ہے، وہ اچھا ہے اگر طریقہ معلوم نہ ہو، زبانی پوچھ لیں۔

حال ذکر لسانی جس قدر اب تک کرتا رہا۔ اسی قدر آئندہ بھی کیا کروں یا کچھ مقدار میں کمی بیشی کر دوں۔ فقط امیدوار توجہات اشرفیہ کمترین غلامان
تحقیق اتنا ہی مناسب ہے۔ کمی کو تو دل قبول نہیں کرتا اور بیشی کا نباہ مشکل ہے۔

حال مدرسہ کا افتتاح ہوگیا ہے اجازت ہو تو آج جانے کا قصد کرلوں۔
تحقیق مبارک ہو۔

خط نہم

حال: کل دوپہر سلطان الاذکار کر کے میں سو گیا تو نیند میں بھی دل کی

عجیب کیفیت رہی قلب اس وقت بھی ذاکر معلوم ہوتا تھا۔ سر درد نقاہت کا
چونکہ بہت غلبہ تھا۔ اس لیے ایسی نیند آئی کہ مسجد مدرسہ میں جماعت ظہر
بھی ہو چکی۔ نیند ہی میں قلب پر یہ آیت وارد ہوئی۔ اَفَلَا يَتُوبُونَ
إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ گھبرا کر آنکھ کھل گئی اور
دوسری مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا کی اور توبہ و استغفار بھی کیا۔

تحقیق: یہی ہیں وہ کمالات جو سالک و عامل کو نصیب ہوتے
ہیں مبارک ہو۔

حال: رات ذکر کے وقت قبلہ کی جانب سے ایک روشنی مثل آفتاب
کے چمکتی ہوئی آئی اور قلب میں اور تمام بدن میں سرایت کر کے محیط
معلوم ہوئی۔ اس وقت قلب کو بہت ہی فرحت نصیب ہوئی۔

تحقیق: یہ انوار ہیں اعمال و اذکار کے

حال: سلطان الاذکار کے وقت نشاط و برودت بہت کچھ محسوس
ہوتی ہے اور تصور ذکر قلب و بدن میں بحمد اللہ کامیاب ہو جاتا ہوں۔

تحقیق: الحمد للہ اقامہا اللہ وادامہا۔

حال: سب کچھ فضلِ حق تعالیٰ و برکت توجہات عالیہ سے ہے۔ زیادہ بجز
اپنی نااہلیت کے کیا عرض کروں اپنی حالت پر نظر کر کے تو بالکل
ہی مایوس تھا۔ البتہ فضلِ حق سے بڑی امید تھی جو الحمد للہ پوری

ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور مجھے اپنے خدا سے ابھی بہت کچھ امید رہتی ہے۔

وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ۔

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست

سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

خط نہم

حال: سیدی سندی مولائی مستندی لازالکم بنالک۔ الفیوض الی سائلین دائمین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کل لوہاری کے سفر میں نسبت کو خاص قوت معلوم ہوتی تھی کہ باوجود مشغولی احادیث وقصص کے بحمد اللہ مشغولی عن الحق نہیں ہوئی۔ آج رات کو دل میں سخت تکلیف تھی، نفس میں سستی اور کاہلی پیدا ہوئی کہ تہجد آج نہ پڑھیں۔ آخر سنت ہی تو ہے کہ خواب میں حضرت والا کو دیکھا فرماتے ہیں کہ:۔

"چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ لینا تہجد نہ چھوڑنا!"

خواب میں یہ بات بھی دل میں آئی کہ بیٹھ کر ہی نماز پڑھ لینا۔ بارے

الحمد للہ کہ دو بجے اُٹھ بیٹھا اور تہجد ادا کی۔ بعد نماز صبح ذکر کرتے کرتے سو گیا اب آنکھ کھلی، خواب میں دیکھا کہ میں حیدر آباد کی ایک مسجد میں معتکف ہوں اور ایک جماعت نیچیریہ اور مبتدعین کی مسجد میں موجود ہے۔ میں نے کھڑے ہو کر تقریر کی کہ:۔

"ہم لوگ جماعت علماء ہیں۔ ہم مجذوب ہیں۔ ہم کو اپنی یہی حالت پسند ہے جس میں ہم ہیں۔ ہمیں تمہاری ترقی کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے طریقہ سے انشاء اللہ کبھی نہ ٹلیں گے۔ تم کو سو بار غرض ہو۔ ہمارا مسلک اختیار کر لو۔ باقی ہم سے یہ امید نہ رکھو کہ ہم تمہارے خیالات میں کسی قسم کی تمہاری موافقت کریں گے"

مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اس تقریر سے مجمع مرعوب سا ہو گیا۔

تحقیق السلام علیکم۔ اس سے پہلے پرچہ میں بندہ نے لکھا تھا ؎

سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست

الحمد للہ اللہ تعالے نے تم کو دکھلا دیا۔ وہ خورشید ہا اور امید ہا یہی ہیں اور اور بھی ہوں گے اور خصوصیت کے ساتھ اس خواب میں اس کی بھی بشارت ہے کہ آنعزیز سے انشاء اللہ تعالیٰ کافی وافی ہدایت کا ظہور ہوگا۔ میرے نزدیک تم اس کے اہل ہو کر تم کو تعلیم و تلقین اور بیعت

لینے کی اجازت دے دی جائے۔ اگر یہ اجازت دینا موہم تصرف فی ملک الاکابر نہ ہوتا میں تو اجازت دے دینا اور زیادہ کیا لکھوں۔

خطِ یازدہم

حال: حضرت اقدس سیدی سندی مولائی مستندی ثقتی درجائی لازالت سحب الطافکم علی مفارق آمین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تسلیمات بصد تعظیمات گذارش خدمت سراپا برکت آنکہ۔ دو والانامے بجواب عرائض ہائے احقر صادر ہوئے۔ دل کی عجیب کیفیت ہوئی۔ ندامت وخجالت سے آنسو آگئے۔ ع

چراغِ مردہ کجا نورِ آفتاب کجا؟

ناچیز اور یہ بار امانت خدا کی شان اور اس کا محض فضل واحسان بس اور کیا عرض کروں۔ میں نہ کچھ تھا، نہ ہوں۔ البتہ ؎

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد ✿ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

عجز وانکسار کے ساتھ اس فضل خداوندی کا شکر ادا کرتا ہوں اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَۃٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔

بارہا گفتہ ام و بار دگر می گویم!
کہ من دل شدہ ایں رہ نہ بخود می پویم

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاذ ازل گفت ہماں می گویم

اگرچہ میں کچھ نہیں اور واللہ کسی قابل نہیں مگر الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے مجھے جامع نسبتین (نسبت رشیدیہ خلیلیہ نقشبندیہ ، و نسبت امدادیہ اشرفیہ چشتیہ) بنادیا۔ فلہ الحمد والشکر۔

یک جہاں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند!

امیدوار توجہات عالیہ کمترین۔

تحقیق: اس کا جواب بجز ہزاراں ہزار مبارک باد کے کیا ہو سکتا ہے۔ رہا قصہ استخلاف کا جس میں تصرف فی ملک الاذکار کا مجھ کو وہم تھا۔ اب یوں سمجھ میں آیا کہ ایک نسبت کا استخلاف میں نافذ کردوں۔ دوسری نسبت میں تصرف نہ کروں فانفہ تہ توکلا علی اللہ وافوض امری وامرک الی اللہ

خطِ دوازدہم

حال : حضرت سیدی سندی مولائی مستندی لازالت سحب افضالکم علی ماطرۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

آج رات عشاء کی نماز کے بعد تسبیحات اور ذکر کرتے کرتے غنودگی آگئی اور سو گیا : نیند میں کسی نے تنبیہ کی کہ "سنتیں کیوں مؤخر کیں" ؟ اس کے بعد میں نے حضرت والا کو خواب میں دیکھا ۔ احقر نے عرض کیا کہ :-

"حضرت دیکھ لیجئے ۔ میری تو یہ حالت ہے کہ سنتیں چھوڑ کر سو گیا ۔ آپ نے مجھے نہ معلوم کس لیے خلافت دے دی میں تو ہرگز اس قابل نہیں "

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ :-

میں تو تیری اس حالت کا منتظر تھا کہ تو سنتیں چھوڑے اور تنبیہ کی جاتے "

اس کے بعد آنکھ کھل گئی اور اُٹھ کر سنتیں اور وتر پڑھے ۔

تحقیق : معنی اس کے یہ ہیں کہ میں اس کا منتظر تھا کہ یہ معلوم ہو کہ تم مرید ہو یا مراد ہو اور ایسے مواقع پر تنبیہ ہونا اور متروک نہ ہونا علامت

ہے مرادیت کی سے مقصود دنمود و ترکِ سنن نہ تھا بلکہ مرادیت کا معلوم ہوتا تھا گو اس علامت خاصہ سے ہو اور جس طرح یہ تنبیہ علامت ہے مرادیت کی اسی طرح یہ اس میں بھی مؤثر ہے کہ آئندہ کو خاص اہتمام کیا جاوے کہ شرائع میں کوتاہی واقع نہ ہو۔

حال: کل سے بعض حضرات میرے سامنے استخلاف وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہیں تو مجھے بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا مذاق کر رہے ہیں قلب میں بجائے خوشی کے ایک تشیح پیدا ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ ایک کا مذاق اڑانے سے ان صاحبوں کو کیا نفع ہوتا ہے۔ پھر صبر کرتا ہوں اور کہتا ہوں ؎

اے دل اندر بندِ زلفش از پریشانی منال

مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

تحقیق: الحمد للہ یہ علامت ہے عدم عجب کی حق تعالیٰ اس میں ترقی فرما دیں کہ اپنے کو کبھی اہل نہ سمجھیں لیکن اس حالت میں یہ مزید شکر کا سبب ہونا چاہیے کہ باوجود نااہلی کے حق تعالیٰ نے یہ نعمت دی اور اس کو فالِ نیک سمجھنا چاہیے عطائے اہلیت کی و نعم ما قیل ؎

دادِ او را قابلیت شرط نیست

بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

۲ شوال ۱۳۳۴ھ

خطِ سیزدہم

سوال: حضرت اقدس سیدی سندی مولائی مستندی ثقتی و رجائی اللہ الت بمار کرمکم فالخرة آمین۔
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

چند امور دریافت کرنا چاہتا ہوں مگر ساتھ ہی خائف بھی ہوں کہ چھوٹا منہ بڑی بات۔ کچھ امور تو اپنی حالت کے متعلق دریافت طلب ہیں۔ ان کے دریافت کی اجازت تو دربار والا سے ہمیشہ سے ہے۔ ایک دو بات اپنی بساط سے زیادہ دریافت کرتا ہوں اور گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ۔

"نسبت اور ملکہ یاد داشت دونوں ایک ہیں یا ان میں آپس میں کچھ فرق ہے؟"

جواب: نسبت ملزوم اور ملکہ یاد داشت لازم ہے۔ دونوں کی ماہیت الگ الگ ہے۔ نسبت نام ہے خاص تعلق کا جس پر دو امر کا ترتب لازم ہے۔ ایک کثرت ذکر جس کی دوسری تعبیر ملکہ یاد داشت ہے۔ دوسرے دوام اطاعت

جس طرح کوئی کسی پر عاشق ہو جائے تو اس تعلق عشقی میں دو امر لازم ہیں۔ ایک تو یہ کہ معشوق اکثر اوقات ذہن سے نہیں اترتا۔ دوسرے عاشق عمداً اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔

سوال: وَاللّٰهُ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ میں بظاہر معیت ذاتیہ مراد ہے اس معیت کا انکشاف سالک کو بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ اور مصاحبت و معیتِ حق حضور و یادداشت ہی کا نام ہے یا اور کسی دوسری کیفیت کا؟

جواب: یہ معیت ذاتیہ ایک قرب خاص ہے جو وجداناً مدرک ہوتا ہے اور جو حضور و یادداشت کا ثمرہ ہے نہ کہ اس کا عین۔

سوال: قرآن شریف کی تلاوت کے وقت میرے لیے کونسا مراقبہ مناسب ہے؟ حضرت نے بعض ذاکرین کے لیے یہ مراقبہ تجویز فرمایا تھا کہ:

"اپنی تلاوت کو یوں تصور کرو کہ حق تعالیٰ شانہٗ تلاوت فرما رہے ہیں اور تم سن رہے ہو"

مجھے اس تصور سے بوجہ حدوث صوت و تعاقب و توالی الفاظ سخت توحش ہوتا ہے۔ اب تک تو میں یہ تصور کرتا رہا ہوں کہ یہ کلام الٰہی ہے حق تعالیٰ کو اس کی تلاوت محبوب ہے اور نہایت محبت سے تلاوت کے وقت توجہ فرماتے ہیں۔ میں حق تعالیٰ کو یہ کلام سنا رہا ہوں۔ اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا تصور مناسب ہو تو ارشاد فرمایا جائے۔

جواب: تمہاری حالت کے مناسب یہی دوسرا تصور ہے۔

سوال: نماز و ذکر کی حالت میں پھنسی کی طرف خیال چلا جاتا ہے۔ یہ

منافی حضور تو نہیں؟ اس تکلیف کے خیال کے بعد دفعتہ دیگر خیالات از خود آجاتے ہیں۔

جواب: حضور کا منافی خود مضر نہیں البتہ استحضار کا منافی مضر ہے۔ سو خیال خود چلا جانا استحضار کے منافی نہیں۔

حال: پہلے پہل تو مجھے کچھ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نئی چیز میرے قلب میں ہے اب تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں سے زیادہ مجھ میں کچھ بھی نہیں حق تعالیٰ سے تعلق سب کو ہے۔ میرے اندر کون سی نئی چیز ہے۔ نہ وہ ولولہ، نہ جوش۔ جس طرح اور لوگ عبادت کرتے ہیں۔ میں بھی کرتا ہوں۔

تحقیق: یہ نزول ہے جو انتہا کے بعد عطا ہوتا ہے اور یہ وہی ہے جس کو حضرت جنیدؒ نے اس سوال کے جواب میں کہ ما النہایۃ فرمایا تھا، العود الی البدایۃ۔ مبارک ہو۔ شوال ۱۳۳۲ھ

خط چہاردہم

حال: حضرت سیدی سندی مولائی مستندی لازالت سحب الطافکم علی مطرۃ آمین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج شب کو ذکر میں تمام بدن منور معلوم ہوتا تھا۔

تحقیق: یہ انوار ذکر ہیں۔

حال: دل یوں چاہتا ہے کہ بے کیف حضور ہو۔ انوار کے ساتھ جو حضور ہوتا ہے قلب میں خود بخود یہ بات آتی ہے کہ یہ حضور کامل نہیں۔

تحقیق: فی نفسہٖ یہ امر صحیح ہے لیکن جس وقت مربیٔ حقیقی سے جو عطا ہوتا ہے۔ اس وقت کے مناسب وہی ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کی تمنا نہ چاہیے

حال: آج رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ حضرت والا کے ساتھ یہ احقر بھی ہے۔ جمعہ کا وقت آگیا تو خطبہ اس احقر نے پڑھا۔ نماز حضرت والا نے پڑھائی۔ پہلا خطبہ میرا ہی گھڑا ہوا تھا اور دوسرا خطبہ خطب مشہورہ میں سے تھا پھر خواب ہی میں یہ آیت قلب پر وارد ہوئی۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا پھر تہجد کے لیے آنکھ کھل گئی۔

تحقیق: خطبہ خطابِ ناس ہے اور نماز مناجاتِ خالق ہے۔ تم لوگوں کا وقت ارشاد و تعلیم کا ہے۔ میرا وقت تربیت حالی کا ہے اور یہ دونوں اپنے اپنے درجہ میں نعمت ہیں۔

حال: تہجد کے بعد پھر اخیر شب میں سو گیا تھا تو پھر خواب دیکھا کہ ایک بہت اونچا تخت ہے۔ اس پر میں اور برادر مرحوم مولانا سعید احمد صاحب لیٹے ہوئے ہیں۔ وہ تخت دیوار سے ذرا ہٹا ہوا تھا تو اس درمیانی حصہ میں جانور آکر اپنی کمر اس تخت سے رگڑتے تھے میں نے اس تخت کو دیوار سے ملا دیا کہ اب کسی جانور کے آنے کی گنجائش نہ رہی۔ پھر نماز کے لیے

ہم دونوں اس تخت سے اترے مجھے بہت فکر تھا کہ اتنے اونچے سے کس طرح اتریں گے۔ قدرتی طور پر ایک ٹیلہ سا اس کے قریب پیدا ہو گیا۔ اس پہ پیر رکھ کر اتر آئے۔ اس تخت کے نیچے کنواں تھا۔ اس سے لوگ پانی بھرتے تھے۔ بھائی صاحب مرحوم تخت سے اتر کر بھاگے اور کہا کہ میں تو بھیگ گیا۔"

اس وقت بارش ہو رہی تھی۔ میں نے چھتری جا کر دی۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

تحقیق: ملکوت میں بعض واقعات ناسوت کے پہونچتے ہیں۔ جس سے روح متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً واقعہ حال میں بعض عارضی پریشانیاں یعنے بعض بد سیرت لوگوں کی بیہودہ بدتمیزیاں جو ان کے اظہار سے اپنے ضمیر کو راحت دیتے ہیں جو مشابہ ہے جانوروں کے کر کے گرنے کے اور ان قصوں کا تعلق مختلف وجوہ سے دونوں بھائیوں سے تھا اور بھیگنا بھی اسی تاثر کی صورت ہے اور چونکہ شریعت کے موافق سب کا انسداد ہو گیا۔ یہ مشابہ ہو گیا تخت کا رخنہ بند کر دینے کے اور اس سے جو اس تاثر کی اصلاح ہوتی ہے وہ مشابہ ہے چھتری لگا دینے کے۔

خلاصہ یہ کہ ان پریشانیوں سے روح متاثر تھی اور اصلاحوں سے اس کو راحت ہوتی۔ بعض اجزا کی تو یہ تعبیر ہے اور باقی اجزا

ثمرات ہیں اعمال صالحہ کے۔

حال ہر صبح کو نماز کے بعد قرآن شریف کی تلاوت کر کے پھر سو گیا خواب میں دیکھا کہ خواجہ صاحب حضرت والا سے فرما رہے ہیں کہ:۔

"یہ (میری طرف اشارہ کر کے) کب جائیں گے سہارنپور؟"

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"یہ منگل کو جائیں گے"

خواجہ صاحب اس قدر جلدی جانے پر تعجب کرنے لگے کہ میں تو چاہتا تھا کہ یہ یہاں رہ کر حضرت سے بخاری شریف پڑھ لیں۔ پھر خواجہ صاحب خود ہی کہنے لگے کہ:۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ بخاری شریف وہ شخص حضرت سے پڑھے جو پہلا پڑھا ہوا بھول گیا ہو"

حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ:۔

"پھر ایسے تو میاں ——— ہیں"

خواجہ صاحب فرمانے لگے کہ:۔

"یہ بھی تو ایسے ہی ہیں"

حضرت نے فرمایا:۔

"نہیں۔ ان کا آفتاب ابھی روشن ہے۔ اس کے بعد

حدیث میں بہت اچھے تھے۔ ایک مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے تو کم تھے۔ باقی سب جماعت سے اس کے نمبر زیادہ تھے۔ مولوی صاحب بردوانی جو فخرِ بنگال ہیں، ان سے بھی اس کے نمبر زیادہ تھے۔ والسلام

تحقیق: اس میں بشارت معلوم ہوتی ہے کہ میاں کے بیٹے بھی اس طرف توجہ زیبا ہے اور ان میں بھی صلاحیت ہے اور تمہارے لیے فضلیت کی بشارت ہے۔ (شوال ۲۹ھ)

خطِ پانزدہم

حال: حضرت اقدس سیدی مولائی ثقتی و رجائی لازالت سجارکم فاخرۃ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ع

اسے تقاضے تو جواب ہر سوال

حضرت نے حضور بے کیف کی تمنا سے بظاہر تو منع فرمایا تھا، مگر بباطن ضرور توجہ فرمائی ہوگی کہ بحمداللہ اسے بہت زیادہ حضور بے کیف ہوا ذکر کرتے ہوئے بھی۔ قرآن کی تلاوت میں بھی، چلتے پھرتے بھی، سوتے بھی۔ تلاوت و ذکر میں ایسا حضور ہوا کہ بے ساختہ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ

اِنَّنِیْ عرض کرنے کو جی چاہتا تھا۔

تحقیق: مبارک ہو

حال: رات خواب میں دیکھا کہ احقر ایک سڑک پر کھڑا ہوا محبت الٰہی کا وعظ کہہ رہا ہے اور مجھ پر کیفیت بکا طاری ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہوں، تب بھی مجمع ساتھ ہی رہتا ہے۔ تو میں پھر دوبارہ کھڑا ہو جاتا اور وعظ کہتا ہوں۔ یہاں تک کہ میں ایک زینہ میں پہونچا، جو ایک تہ خانہ میں پہونچتا تھا تو اس وقت لوگوں سے کہا:

"اب وعظ ختم ہو گیا۔ اب آپ لوگ رخصت ہوں"

تب سب نے مصافحہ کیا اور رخصت ہوتے اور میں اس تہ خانہ میں ہو کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مدرسہ مظاہر علوم میں پہونچ گیا۔ مہتمم صاحب سے ملاقات ہوئی۔

تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ آنعزیز سے فیض حالی و علمی پہونچنے والا ہے۔

حال: رات قرآن شریف سے اور درود شریف سے ایک خاص محبت میرے قلب میں، ذکر کے وقت اور تلاوت کے وقت الہام ہو گئی۔ والحمد للہ علی ذلک۔ تلاوت اور درود شریف پڑھتے ہوئے، حق تعالیٰ شانہٗ کی خاص توجہ محسوس ہوتی ہے۔

تحقیق: یہی ہیں وہ واردات جو بعد وصول عطا ہوتے ہیں۔ شوال ۱۳۳۲ھ

از صفحہ ۴۸۸

حال: کل بعد عصر ایک کام سے خانقاہ سے باہر گیا تو ایک کتے کے پلے پر نظر پڑی۔ اس کی صورت اپنی نظر میں بہت ہی محبوب معلوم ہوئی۔

تحقیق: یہ غلبہ تھا تواضع کا مرتبہ فنا تک پہونچا ہوا۔

حال: اس کے بعد یہ حالت ہوئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب تک جس قدر ذکر میں نے کیا۔ سب میں کوئی نہ کوئی غرض پوشیدہ تھی۔ اس لیے تو شرک میں مبتلا رہا کہ غیر محبوب کا طالب رہا۔ اپنے کو سخت ملامت کرتا تھا کہ تو نے حق تعالیٰ کی قدر نہ پہچانی۔ اگر ان کو پہچان لیتا تو ہرگز کسی بات کا طالب نہ ہوتا۔

وساوس دور ہونے کی نیت سے ذکر کرنا بھی شرک ہے۔ اللہ کا نام تو خود بذاتہ مقصود ہے تو بڑا مکار ہے۔ ہر بات میں تو نے کوئی نہ کوئی مقصد تراشش رکھا ہے۔

تحقیق: یہ بھی غلبہ ہے فنا کا برنگ دیگر۔

حال: کل عصر و مغرب و عشاء کی نماز سے بہت تسلی ہوئی۔

تحقیق: یہ ظہور ہے دولتِ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ کا

از صفحہ ۶۷۹

(ترقی عقلی مطلوب ہے گو بواسطہ ہو نہ طبعی)

حال: ایک بات قابلِ عرض ہے وہ یہ کہ سلسلہ التقاء الفتن میں جتنے رسالے اور تحریرات اس وقت تک لکھے ہیں ان سے کچھ قرب میں زیادتی نہیں معلوم ہوتی بلکہ اور تنزل کا شبہ ہوتا ہے۔

تحقیق: واقعی ایسا ہی معلوم ہوتا ہوگا مگر معلوم ہونا طبعی ہے عقلی نہیں (والمعتبر ھو الثانی لا الاول عقلاً یعنی بمقتضائے دلائل شرعیہ یہ سبب ترقی ہے کیونکہ نفعاً دینیاً ضروریاً متعدیاً

حال: اس میں جس قدر مشغول ہوتا ہوں نسبت کو ضعف ہوتا جاتا ہے۔

تحقیق: اس ضعف کی حقیقت التفات الی المقصود کا بواسطہ ہونا ہے اس کے مقابلہ میں جو قوت ہے وہ التفات بلا واسطہ ہے۔ جیسے محبوب کا مشاہدہ بواسطہ آئینہ کے کہ بار بار دل بے قرار ہوتا ہے کہ آئینہ کی طرف پشت کرکے مڑ کر بلا واسطہ آئینہ کے محبوب کو دیکھ لوں۔ لیکن اگر محبوب کی رضا اور امر کسی وقت وہی مشاہدہ بواسطہ ہو تو عاشق کو قرب اسی مشاہدہ بواسطہ میں ہوگا۔ اگرچہ لذت انکشاف کی مشاہدہ بلا واسطہ

میں زیادہ ہے۔

پس جس نے نسبت و تعلق خاص اس مشاہدہ بلا واسطہ کو سمجھا اس کو شبہ ہوگا مشاہدہ بواسطہ میں ضعفِ تعلق کا و الذوق فالامر بالعکس۔

میں ہمیشہ سے وجداناً یہی سمجھتا ہوں کہ حدیث میں جو آیا ہے۔
انہ لیغان علی قلبی۔ وہ غین یہی توجہ الی الخلق للارشاد ہے کہ وہ غین توجہ الی الحق بواسطہ مرآۃ الخلق ہے کہ عاشق بے صبری طبعی سے اس کو حجاب کہتا ہے۔

حال: اس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ مبادا کہیں نفس کا شائبہ نہ ہوگیا ہو۔ کیونکہ رد کو اور تردید اور توتو میں میں اکثر نفس کے شائبہ سے کم خالی ہوتی ہے

تحقیق: یہ صحیح ہے لیکن اس کا تدارک استغفار سے کر لیا جائے، اور ایک نکتہ قابلِ تنبیہ ہے جب تک صاحبِ عمل کو اس شوب کا اندیشہ رہتا ہے۔ حفاظت خداوندی اس کی رفیق رہتی ہے۔ البتہ مبتدی کو بوجہ غلبہ شوائب کے ایسی مشغولی سخت مضر ہے۔ مالم یتبین لہ۔

حال: اب جو ارشاد ہو۔ ویسا کیا جائے۔

تحقیق: اعمل واستغفر۔

از صفحہ ۲۳۰

سوال: گذارش یہ ہے کہ رات ذکر میں بہت کشمکش پیدا ہو گئی بغلبہ وحدت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آیا تو اندر سے تقاضا یہ ہو رہا تھا کہ بجز ایک وجود کے کسی کا وجود نہیں اور طبعی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ایسا غالب تھا کہ حضورؐ کا فنا ر مشاہد نہ ہوتا تھا۔ پھر یہ اندیشہ ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے وجود کے سامنے حضورؐ کا وجود تو کچھ بھی نہیں۔ پھر اس کا فنا کیوں مشاہد نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ کے وجود کے ساتھ حضورؐ کے وجود کا فانی نہ ہونا جب خیال میں آتا ہے تو کہیں یہ شرک نہ ہو جاتے۔

جواب: یہ شرک نہیں اس لیے کہ جمیع ممکنات میں عموماً اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خصوصاً دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ذات کی اور اس مرتبہ میں وہ معدوم ہے اور ایک اضافت مع الحق کی اور وہ اس مرتبہ میں وہ موجود ہے اور قاعدہ ہے کہ کسی حیثیت کے اعتبار سے ایک شے پر کوئی حکم کرنا واقع میں اس حیثیت پر حکم کرنا ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حیثیت خاص سے وجود کا حکم لگانا واقع میں حق تعالیٰ پر وجود کا حکم کرنا ہے اور وہ عین توحید ہے۔ سالک ان احوال میں غیر مختار ہوتا ہے۔ کبھی ذات ممکن کی طرف نظر جاتی ہے۔ کبھی حیثیت تلبیس یعنی وجود پر نظر جاتی ہے۔ جس طرف بھی نظر جاوے۔

تکلف سے دوسری طرف نظر کرنا چاہیے کہ اس وقت وہی نظر اس کی تربیت کا طریق ہے۔ پس یہ غلطی تھی کہ بہ تکلف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فنا پر نظر کی جاتی تھی اور حیثیت وجود پر نظر کرنے کو خلاف سمجھا جاتا تھا جب وجود پر نظر گئی تھی اس کو بھی وجود حق ہی پر نظر سمجھنا چاہیے تھا بالنحو الذی ذکرتہ اور اس کا لطف حاصل ہونے دینا تھا۔

از صفحہ ۸۶۹

تصوّر بوقتِ ذکر

حال: ذکر جہر میں حسب ارشاد مرشدی دام مجدہم قلب سے ایک نور نکلتا ہوا تصور کرتا ہوں کہ وہ ذاکر کے تمام جسم کو اور بڑھتے بڑھتے تمام عالم کو محیط ہے۔ اس تصور میں بحمد اللہ کامیابی ہو جاتی ہے۔

تحقیق: الحمد للہ۔

حال: یہ حالت جو عرض کی صرف ذکر کے وقت باقی رہتی ہے۔ بعد ذکر کے جب مشاغل علمیہ میں منہمک ہوتا ہوں تو کچھ باقی نہیں رہتی۔

تحقیق: کچھ حرج نہیں وہ حالت بہ حیثیت خاصہ معلول ہے یکسوئی سے یکسوئی نہ رہنے سے وہ بھی نہیں رہتی مگر لفس اثر باقی رہے گا۔

حال: ذکر لسانی البتہ اکثر کرتا رہتا ہوں۔
تحقیق: اس میں بعض اعتبارات سے اس سے بھی زیادہ مصالح ہیں

از صفحہ ۸۵۱

تصورِ ذاتِ بحت اور مناجاتِ قلبیہ میں سے کون افضل ہے؟

حال: تصور ذات بحت افضل ہے یا مناجات قلبیہ؟ (یعنی بعض دفعہ دل خود بخود حق تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے جس میں خشوع و خضوع کے ساتھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اپنے مالک کے دربار میں حاضر ہو کر عرض معروض کر رہا ہے) نیز نماز میں ان دونوں میں سے کونسی صورت افضل ہوگی؟
تحقیق: اگر مناجات کا بے ساختہ تقاضا ہو تو وہ افضل ہے، ورنہ تصور ذات۔ مگر مقروناً بالذکر۔ اور نماز و خارج نماز دونوں کا ایک حکم ہے مگر نماز میں مناجات ہر رکن میں نہ ہوگی۔

از صفحہ ۹۰۲

حال: گذارشِ احوال یہ ہے کہ آج صبح نمازِ فجر سے پہلے ذکر میں مشغول

تھا کہ خود بخود ایک حالت غنودگی کی ۵-۶ منٹ کے لیے طاری ہو گئی۔ اس وقت جناب والا کو دیکھا کہ آپ نے دو ستون نور کے میرے دل کے اندر قائم فرمائے اور فرمایا کہ :-

"یہ ایک ستون مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا ہے اور

ایک ستون مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا ہے"

وہ دو ستون بہت باریک اور نور سے چمکتے ہوئے تھے جب میرے قلب میں وہ قائم کئے گئے عجیب حالت ہوئی جس کا اب تک اثر ہے

تحقیق : اول نسبتِ نبوت ہے ثانی نسبتِ ولایت۔ مولانا گنگوہیؒ پر اول غالب تھی اور مولانا نانوتویؒ پر ثانی کا غلبہ تھا۔ مبارک ہو۔

از صفحہ ۹۲۲

حال : مجھے ذکر میں پہلے تصورِ معیت رہتا تھا اب تصورِ وحدت خود بخود ہونے لگا ہے۔ لا الٰہ کہتے ہوئے تمام عالم نیست معلوم ہوتا ہے اور ذکر اسم ذات میں صرف ایک وجود کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ یہ حالت حضرت کے سفرِ رنگون کے وقت سے شروع ہوئی اور اب اس روز کی تقریر سے اس میں بحمد اللہ ترقی ہے اور حاجی صاحبؒ اور خود حضرت نے مراقبۂ وحدت الوجود سے منع فرمایا ہے، اس کے بارہ میں کیا ارشاد ہے؟

مگر ر آنکہ یہ حالت ذکر میں ہوتی ہے۔ ذکر کے بعد اضمحلال اشیاء
نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ یقین قلب سے ہر چیز کالعدم معلوم ہوتی ہے۔
تحقیق: ممانعت ان کو ہے جن کے فہم یا محبت میں کمی ہو۔ تم کو اگر
نفع معلوم ہو کر لو۔

از صفحہ ۹۲

حال: ایک بات تلاوتِ قرآن کے متعلق یہ قابلِ عرض ہے کہ مجھے تلاوت
کے وقت زیادہ تاثر الفاظِ قرآن سے ہوتا ہے۔ اس کی بلاغت و
فصاحت بعض دفعہ دل کو ایسا بے قابو کر دیتی ہے کہ گویا دل پھٹ
جائے گا۔ اس وقت معانی سے تاثر محسوس نہیں ہوتا۔ اس کے بارہ
میں کیا ارشاد ہے؟

وجہ تردد وہ مسئلہ ہے جو امام صاحب سے منقول ہے کہ قرأت
بالعجمیہ کے جواز کی ایک وجہ یہ فرمائی کہ نظم قرآن بوجہ بلاغت و فصاحت
کے التفات الی المعانی والی المتکلم سے مانع ہو جاتی ہے۔ مگر میری سمجھ
میں یہ بات نہیں آئی مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جس وقت بلاغتِ قرآن
سے دل بے قابو ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ قلب کو خاص
تعلق ہوتا ہے اور محبت میں بھی ترقی معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق: امام صاحب سے تو یہ وجہ منقول نہیں۔ بعض مصنفین نے امام صاحب کے قول کی ایک توجیہ اپنی رائے سے کر دی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ سالک کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی وقت کلام لفظی کی تجلی کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی وقت کلام نفسی کی تجلی کا۔ سب محمود و وسائط تربیت ہیں۔

از صفحہ ۹۳۷

بزرگوں کے مزار کے پاس مراقبہ

حال: گنگوہ میں حضرت مولانا قدس سرہٗ کے مزار پر ایک بات معلوم ہوئی تھی سادل تو میں نے اس کو خیال سمجھ کر ٹالا۔ مگر چند وجوہ سے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ میرے قلب پر بار بار تقاضا ہوتا ہے کہ حضرت سے عرض کرنا چاہیے۔

تحقیق: یہ داعی معتد بہ ہے۔

حال: دوسرے جب میں حضرت کے مزار پر مراقب تھا۔ اس وقت وہاں مولوی ــــــ صاحب بھی تھے جب میں فارغ ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ:

اس وقت حضرت کی تمام تر توجہ تیرے ساد پر تھی۔"

تحقیق: یہ داعی ضعیف ہے۔ میں دونوں کو مشورہ دیتا ہوں دان سے بھی کہہ دیا جاوے) کہ ان امور کو لاشئے سمجھیں۔ حالاً موجب مسرت اور مآلاً موجب مضرت ہیں۔ اکثر تو خیال کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ پھران کی طرف التفات کرنے سے ان پر اعتماد ہونے لگتا ہے جب حالات ہی کوئی چیز نہیں تو خیالات تو کسی شمار میں نہیں۔

اگر کوئی ایسا امر محسوس ہوا کرے تو اس کا اظہار جلد ہی نہ کیا جاوے جب تک تین روز تک نہ ہو۔ دونوں کو یہی وصیت ہے۔ اس عمل سے یہ قطع یا کم ہو جاوے گا، وہو اسلم۔

حال: اس بات سے اس امر کی تائید ہوئی جو میں نے وہاں معلوم کیا تھا۔ میں حضرت کے مزار پر فاتحہ پڑھ کر ذکر کرتا ہوا مراقب ہوا اور وہی تصور کیا جو حضرت کی زبانی سنا تھا کہ حق تعالٰی کو فاعل سمجھے اور قلب شیخ کو مخزن۔ کچھ دیر کی حالت طاری ہوئی۔ حضرت شیخ کو عمدہ لباس و صورت میں مراقب اور متوجہ اپنی طرف دیکھا (یہ بات بھی قابل عرض ہے کہ میں جب مزار پر گیا تو یہ دعا دل میں کر رہا تھا کہ حق تعالٰی مولانا کی نسبت مجھے عطا فرمائیں۔ اس سے پہلے غنودگی کی حالت میں یہ دیکھا کہ ایک ستون مولانا گنگوہی کا ہے اور ایک ستون مولانا محمد قاسم صاحب

کا ہے۔ اس دن سے یہ اشتیاق ہوا کہ مولانا کی نسبت کامل حاصل ہوا
غرض حضرت کو متوجہ پایا پھر حضرت نے سر اٹھا کر فرمایا کہ:۔
"خلیل تمہارے ہیں اور اشرفؒ میرے ہیں۔ دونوں سے
تم کو برابر فیض ہوگا۔ نسبت تم کو حاصل ہے، راسخ کرنے کی
ضرورت ہے، کثرت ذکر اور اجتناب معصیت سے"
چونکہ ان باتوں کا طرز میرے خیال کے خلاف ہے۔ اس لیے میں
اس کو خیال نہیں کہہ سکتا۔ واقعہ سمجھتا ہوں۔ آئندہ جو ارشاد والا ہو۔
تحقیق: ہاں! ایسے واقعات ہوتے ہیں۔ ہونا ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ
ان کو راست فرما دیں۔

<u>از صفحہ ۹۵۵</u>

حال: کل شب جمعہ کو بعد نماز تہجد مراقب لیٹا ہوا تھا کہ کچھ غنودگی طاری
ہوئی۔ اسی حالت بین النوم والیقظہ میں مولانا ــــــــ صاحب کی زیارت
نصیب ہوئی۔ مولانا سفید لباس پہنے ہوئے خوش وخرم معلوم ہوتے
تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ:۔
"حضرت کس طرح گذری اور آپ کس حال میں ہیں؟
اس وقت میں خوب سمجھتا تھا کہ مولانا کا وصال ہو چکا ہے اور یہ

جسم دوسرا ہے۔)
فرمایا کہ:۔
"...... تو خوب جانتا ہے کہ محبوب کا ذرا سا عتاب بھی
بہت ہوتا ہے اور میرے اوپر تو ذرا سی بات کا بھی بہت اثر ہوتا
ہے اور تو سب طرح خیریت ہے مگر لڑکوں کی بابت سوال
ہو رہا ہے۔"
(اس کے بعد مجھے ایک باعظمت صورت سے یہ الفاظ مسموع ہوئے)
"لڑکوں سے محبت کیوں کی تھی؟"
(میں غنودگی میں اس کو کلامِ الٰہی سمجھ رہا تھا اور عجیب کیفیت تھی)
پھر یہ الفاظ سنے)
"خیر اس کا بدلہ ہم دنیا ہی میں دے چکے ہیں کہ آنکھیں
جاتی رہی تھیں۔"
اس کے بعد میں نے مولانا سے عرض کیا کہ:۔
"اب تو راحت ہو گئی؟"
فرمایا:۔
"ہاں! اب تو راحت ہو گئی اور کھانے پینے کی چیزیں تو
یہاں عجیب عجیب آ گئی ہیں۔ یہاں بہت راحت ہے۔"

پھر بطور نصیحت کے مجھ سے یہ الفاظ فرماتے کہ:۔

"صوفی ہی بن کر نہ بیٹھ جانا۔ کتابوں کی تقریر کیا کرو۔

درس تدریس خالی ذکر سے حق تعالیٰ کے یہاں افضل ہے۔

جو اذکار احادیث میں وارد ہوئے ہیں ان کا ورد رکھو اور

قلب کا خیال رکھو کہ غفلت نہ ہو۔" انتہیٰ۔

مولانا مرحوم نے جو اذکارِ احادیث کے ورد کو فرمایا ہے، تو مولٰنا (حصن حصین) کے بہت پابند تھے۔ شاید اسی طرف اشارہ ہو۔ اگر اجازت ہو تو میں بھی اس کا ورد کر لوں؟

تحقیق: رویا سراپا ہدایت ہے۔ غض بصر کی تاکید ظاہر ہے اور اشاعت شرائع کا مہتم بالشان ہونا بھی مگر بشرط عدم غفلت۔ حصن حصین کا شغل بہت بہتر ہے۔ اگر التزام ہو سکے، دریغ نہ کریں۔

از صفحہ ۹۵۷

حال: چند روز ہوئے خواب میں کسی نے میرے سامنے ایک کاغذ پیش کیا کہ اس کو دیکھو۔ اس میں حضرتِ والا کے خلفاء کی فہرست تھی اس میں دو درجے مقرر کیے گئے ہیں۔ اوپر ایک درجہ تھا جس پر لکھا ہوا تھا "خلفاء ذلت" نیچے کے درجہ میں لکھا ہوا تھا:۔

خلفاء دیوانگی ہے۔ احقر کا نام خلفاء ذلت میں تھا۔ تعبیر سمجھ میں نہیں آئی
تحقیق: ماشاء اللہ مبارک ہو۔ واللہ بڑی مسرت ہوئی۔ ذلت ٹھیک ترجمہ
ہے عبدیت کا۔ یقال طریق معبد ای مذلل والتعبد التذلل
والعبادۃ غایۃ التذلل وھو معروف اور ظاہر ہے کہ عبدیت
خاص مذاق ہے نبوت کا۔ وہ طریق شورش سے کہ مراد ہے دیوانگی
سے افضل ہے۔

ع فطوبیٰ لھم ثم طوبیٰ لکم۔۔

از صفحہ ۹۵۸

حال: آج شب کو خواب میں مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی
کو دیکھا کہ حضرت والا کے سامنے پیالہ ہاتھ میں لیے (جیسا کہ طلبہ کھانا
لانے کے واسطے جایا کرتے ہیں) حاضر ہوتے ہیں۔ اس وقت ان کے
قلب کی طرف نگاہ کرنے لگا اور قلب کی اچھی حالت معلوم ہوئی۔
مولوی صاحب موصوف کہنے لگے کہ:۔
"میں سمجھ گیا جو کچھ تیرے دل میں ہے۔"
میں نے ہنس کر عرض کیا:۔
"ماشاء اللہ اب تو آپ صاحبِ کشف ہو گئے۔"

اس کے بعد ہم دونوں میں مقامات انبیاء علیہم السلام کی بابت گفتگو ہونے لگی۔ وہ فرماتے تھے کہ :۔

"مقاماتِ انبیاء علیہم السلام کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگی"

میں نے عرض کیا کہ :۔

"مقامات انبیاء علیہم السلام میں رسوخ تو غیر نبی کو نہیں ہو سکتا۔ لیکن محض ان مقامات کی سیر کر لینا اور ان کو جان لینا ممکن ہے اور بحمد اللہ میں نے مقامات انبیاء علیہم السلام کی سیر کی ہے۔ صعود تو بہت سہل تھا مگر نزول کے وقت دشوار ہی معلوم ہوتی تھی"

اس گفتگو کے بعد میں نے اپنے آپ کو ایک عالیشان عمارت پر چڑھتے دیکھا اور دل میں یہ بات آ رہی تھی کہ میں مقاماتِ انبیاء علیہم السلام کی سیر کر رہا ہوں۔ مقام بہت بلند تھا اور واقعی صعود تو بہت سہل تھا۔ نزول کے وقت دقت معلوم ہوتی تھی۔ تعبیر سے مشرف فرمایا جاوے۔

تحقیق : مولوی شبیر احمد کی کامیابی کی بھی بشارت ہے۔ خدا تعالےٰ نصیب کرے اور مقامات انبیاء علیہم السلام کے متعلق عجیب تحقیق معلوم کرائی گئی جو مجموعہ قولین سے ثابت ہوتی یعنی حصولِ قوی تو

ان مقامات کا غیر نبی کو نہیں ہوسکتا مگر سیر نظری ہوسکتی ہے۔ فافہم

از صفحہ ۹۶۰

حال: ایک بار بین النوم والیقظہ دیکھا کہ حضرت والا کانپور کی جامع مسجد میں نماز فجر پڑھا رہے ہیں۔ احقر بھی نماز میں شریک ہے۔ سورۃ "مدثر" کی تلاوت فرمائی اور درمیان نماز ہی میں طلوع آفتاب ہوگیا۔
تحقیق: اگر یہ محض متصرفہ کا تصرف نہیں ہے تو قُمْ فَاَنْذِرْ کے ظہور کی صورت ہے یعنی آفتابِ ارشاد طلوع ہوا۔
حال: ایسے ہی حالتِ غنودگی میں دیکھا کہ خواجہ صاحب اور حکیم مصطفیٰ صاحب حضرت والا کے قدیمی مکان کے بیرونی کمرہ میں بیٹھے ہوئے دستر خوان پر بیٹھے چاول کھا رہے ہیں ــــ احقر بھی حاضر ہوا اور میں نے ان صاحبان سے عرض کیا کہ:۔

"مجھے نہ خبر تھی کہ آپ یہ مزے لے رہے ہیں۔ ورنہ میں پہلے سے آتا"

یہ کہہ کر میں بھی ایک رکابی پر بیٹھ گیا جس میں سے حضرت والا نے کچھ تناول فرما کر کچھ حصہ بچا دیا تھا۔ خواجہ صاحب ہنس کر بولے:۔

"اور کیا چاہتے ہو۔ تم نے تو حضرت شیخ کے سامنے کا کھانا

کھلایا

تحقیق: مداشت کی طرف اشارہ ہے۔

حال: ایک روز خواب میں دیکھا کہ حضرتِ والا نے ایک مکتوب احقر کے حوالہ فرمایا جس کو میں یہ سمجھا کہ یہ میرے احوال کے جوابات ہیں۔ اور کسی حال میں احقر نے مولوی ——— صاحب کا تذکرہ کیا تھا تو اس کا جواب حضرتِ والا نے یہ تحریر فرمایا جو بلفظہٖ قریب قریب یاد رہ گیا۔

"مولوی ——— صاحب میرے قوت بازو ہیں۔ میرے عزیز ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ دولتِ باطنی سے کامیاب ہو جائیں۔ تم ان کے لیے دعا اور توجہ اور ہمت باطنی کرو۔ انتہی آمین۔"

حق تعالیٰ شانہٗ برادر موصوف کو حسب تمنائے سامی اپنی دولتِ خاص سے ممتاز فرمائیں اور انشاء اللہ تعالیٰ جب حضرتِ والا کی توجہ اس قدر ہے تو امید قوی ہے کہ وہ محروم نہ رہیں گے۔

تحقیق: خدا چنیں کند۔

حال: ایک بات اگرچہ میرے دریافت کے قابل نہیں مگر صرف اس اطمینان کے لیے کہ مجھے معلوم ہو جاتے کہ برادرِ موصوف قطعِ طریق میں مشغول ہیں یا نہیں۔ استفسار کرتا ہوں کہ برادرِ موصوف ذکر و شغل تو زیادہ

نہیں کرتے ۔ اور نہ ان میں قوتِ دماغی زیادہ ذکر کی متحمل ہے ۔ تو کیا حضرتِ والا نے شرحِ مثنوی کا کام ان کے سپرد اسی لیے فرمایا ہے کہ :
"ذکر کے بجائے اس طریق سے محبت و ذکر راسخ ہو جاتے ۔"

تحقیق : یہ قصد تو نہیں تھا مگر اس عمل سے اس کی بھی امید ہے ۔ باقی کہی تمہ جواب اس سوال کے بعض اجزاء کا اسٹیشن کے راستہ میں زبانی بھی دے چکا ہوں ۔

حال : آج شب شنبہ کو بعد نمازِ تہجد لیٹ گیا تھا ۔ بین بین حالت میں تھا ۔ نہ نیند غالب تھی ، نہ بالکل بیدار تھا دیکھا کہ مہتمم صاحب مدرسہ حضرتِ والا کی شکایت کر رہے ہیں کہ ہمارے مدرسہ کی سرپرستی سے حضرت نے استعفا دے دیا اور فلاں مدرسہ کی ممبری قبول فرما رکھی ہے حالانکہ کام دونوں برابر ہی درجہ میں تھے ۔

تحقیق : میرے خیال میں تو رائی کے حدیث النفس کی یہ صورت مثالیہ ہے ۔ کیونکہ بالمعاینہ دونوں کاموں میں تفاوت ہے ۔

حال : پھر دیکھا کہ حضرتِ والا مجھے گھوڑا خریدنے پر سخت تنبیہ فرما رہے ہیں کہ خواہ مخواہ خرچ بڑھانے سے کیا نفع ؟ اور کام ہی کیا ہے ؟ اور اگر تم کو اس حدیث سے شبہ ہوا ، جس میں وارد ہے کہ ایک زمانہ آئے گا

اس میں ہر مسلمان کو گھوڑا باندھنا چاہیے۔ تو وہ زمانہ ہے تو بھی مگر یہ بیٹے میں اہل وسعت مراد ہیں۔

تحقیق: یہ بالکل صحیح دیکھا۔ لاسیما تو واقعی ہی تھی مگر ابنت شرعیہ کے سبب تعرض کیا۔

حال: پھر دیکھا کہ حضرت والا کے کسی خادم نے ضیافت کی ہے اور حضرت نے قبول فرمائی ہے اور یہ ارشاد فرمایا کہ۔

"یہ اخیر دعوت ہے اور اب جو کوئی ایک دن یا آدھے دن یہاں قیام کرے۔ اس کو ہماری دعوت کرنے کی اجازت ہے۔"

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ۔

"مہمان سب ہمارے یہاں کھانا کھایا کریں۔"

اس وقت اکثر خدام کے چہرہ پر آثار غم کے تھے۔ خواجہ صاحب کے آنسو جاری تھے۔ دو ہ نتم علی راس الامۃ المحمدیۃ غوثا للطالبین وغیاثا للمسترشدین وبتلک الفیوض والبرکات مفیضین ویرحم اللہ عبدا قال آمینا۔

تحقیق: الفاظ سے اہل غفلت کا کو وقت کو غنیمت سمجھیں۔ آخر ایک روز اس کو انقضاء ہونا ہے۔ باقی قبیل کی کوئی حد نہیں۔ تمام عمر

دنیا کو قلیل کہا گیا ہے۔

حال: بعض دفعہ ذکر کے وقت نئی نئی عمارتیں اور نئے نئے آدمی نظر آتے ہیں۔ بعض دفعہ اپنے مشائخ موجود ہیں۔ بعض دفعہ بعض متعلقین خود بخود بلا ترتیب نظر آتے ہیں۔ اس کی بابت کیا ارشاد ہے؟

تحقیق: ایک قسم کا انکشاف ہے، توجہ نہ کی جاوے۔

حال: مولوی ـــــــ صاحب کو دیکھا کہ مغلوب الحال دیوانہ کی طرح آئے اور مجھ سے کہا کہ:

"مصافحہ کرو"

میں نے ہاتھ بڑھائے تو دو اکنیاں، پہلے ایک پھر دوسری میرے ہاتھ میں دیں اور کہا کہ:

"مصافحہ مقصود نہیں، یہ لو"

اور رکھ کر چل دیئے۔ مجھے خواب میں ان کی اس حالت پر بڑی حیرت رہی۔

تحقیق: اس سے ان کی کامیابی کی امید بڑھتی ہے اور غالباً اس کامیابی میں زیادہ معین ایصال نفع الی الخلق ہو۔

حال: پھر دیکھا کہ جمعہ کی نماز حضرت والا نے پڑھائی اور نماز سے پہلے چند خدام سے، جن میں ـــــــ اور خواجہ صاحب کا نام یاد

ہے اور احقر سے بھی حضرت والا نے یہ فرمایا تھا کہ:۔

"نوافل بعد جمعہ کے ایک اور جگہ جا کر پڑھیں گے۔"

چنانچہ بعد نمازِ جمعہ ارشاد فرمایا کہ:۔

"آؤ! نوافل کو اچھی طرح پڑھیں۔"

چنانچہ خواجہ صاحب اور احقر ساتھ میں تیار ہوتے اور چند لوگ اور بھی تھے۔ اس وقت خواجہ صاحب اور احقر کی زبان پہ ذکر جاری تھا۔

تحقیق: یہ معیتِ باطنہ کی تصویر ہے۔

حال: پھر احقر نے ایک کتاب کی زیارت کی جو سیدنا امام حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی تصنیف تھی۔ اس کتاب میں یہ مضمون دیکھا کہ:۔

"نماز کا قعدۂ اخیرہ قعدۂ اولیٰ سے اس لیے طویل رکھا گیا ہے کہ قعدۂ اولیٰ تو وسطِ نماز میں ہے اور قعدۂ ثانیہ اخیر میں۔ اس کا طویل ہونا مناسب ہے تاکہ مصلی کے تمام اعضا مطمئن ہو جائیں اور حرکتِ دم ساکن ہو جائے اور وہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر نماز کو ختم کرے اور سلام پھیر دے۔"

تعبیر سے مشرف فرمایا جاوے۔

تحقیق: علوم ولایت کا زیادہ منبع حضراتِ اہل بیت ہیں اشارہ

ہے ایسے علوم کے فیضان کی طرف۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حال: چند باتیں اس وقت اور قابل ذکر ہیں۔ شرم بھی آتی ہے کہ حضرتِ والا کا وقتِ عزیز ضائع کرتا ہوں مگر چونکہ حضرتِ والا کے بیان سے کافی تسلی اور اطمینان ہو جاتا ہے۔ اس لیے جی چاہتا ہے کہ ہر بات صاف عرض کردوں۔ حسناً کان او سیئاً۔

تحقیق: نتواں نہفتن درد از طبیباں۔

حال: عریضۂ سابقہ میں عرض کیا تھا کہ میں نے ایک کتاب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف سے خواب میں دیکھی جس میں قعدۂ اخیرہ کی بابت ایک مضمون دیکھا تھا۔ اس کی بابت خواب ہی میں یہ بات دل میں آئی کہ قبیل سلام رحمت زیادہ متوجہ ہوتی ہے۔

کیا اس مضمون کی صحت کے لیے اس امر سے استیناس کیا جا سکتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے ادعیہ کے لیے وقت قبیل سلام جو مقرر فرمایا ہے تو شاید اسی لیے ہو کہ اس وقت رحمت زیادہ متوجہ ہوتی ہے۔

تحقیق: ہاں گنجائش ہے۔

حال: آج شب جمعہ کو بعد نماز تہجد کے بوجہ سوء ہضم و کسل کے لیٹ گیا تھا۔ نیند تو آئی نہیں۔ کچھ غنودگی سی ہوئی تھی کہ ایک منظر عجیب دیکھا

میں نے اپنے گھر میں (جس کو خواب میں اپنا گھر سمجھتا تھا) چند شخص نہایت بدشکل دیکھے کہ اول نظر میں وہ انسان بھی نہ معلوم ہوتے تھے اور میں ان سے بہت زیادہ خائف ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک شخص بشکلِ انسان نظر آیا اور اس نے کچھ کلام کیا۔ جس میں سے صرف اس قدر یاد ہے کہ:۔

"ہم اعمالِ بد ہیں۔"

اس کے بعد ایک بہت حسین شخص بشکل انسان نظر آیا جس کو میرے دل نے یہ سمجھا کہ یہ اعمالِ صالحہ کی شکل ہے۔ اس صورت کی طرف انجذاب اس وقت تک موجود ہے۔ بار بار اس کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس نے تبسم کر کے مجھے یہ کہا کہ:۔

"غفلت نہ کرنا۔ گناہوں سے بچتے رہنا اور اگر کبھی غفلت میں گناہ ہو جائیں تو فوراً توبہ کرنا اور توبہ کے بعد پھر اس گناہ کی فکر میں نہ پڑنا کہ فکر بین اللہ و بین العبد حجاب ہو جاتا ہے۔"

تحقیق: حقائقِ صحیحہ کا انکشاف مبارک ہو۔

حال: اس کے بعد میں نے یہ دیکھا کہ میرا ایک عظیم الشان مکان ہے اور ایسا معلوم ہوا کہ سہارنپور میں ہے۔ اس میں مولوی ...... صاحب اور میاں ...... علی بطور مہمان کے میرے پاس آتے ہیں ...... علی

مکان کے اندر ہیں اور گویا گھر والے ان سے پردہ نہیں کرتے اور وہ اندر بیٹھے ذکر کر رہے ہیں اور اچھی طرح ذوق اور شوق سے ذکر کر رہے ہیں مولوی ۔۔۔۔ صاحب مکان کے باہر بیٹھے ہوتے مجھ سے کھانے کا وقت دریافت کر رہے ہیں کہ "کھانا کب کھاؤ گے"؟

تحقیق: غالب یہ ہے کہ علی زیادہ فیوض ولایت سے مشرف ہوں اور مولوی علی صاحب زیادہ فیوض نبوت سے۔

سوال: پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا جو صورت سے بہت بدمعاش معلوم ہوتا تھا اور زبان سے گالیاں بک رہا تھا اور اپنے منہ سے مثل بازی گروں کے گولے نکال رہا تھا۔ اس حالت میں خواب ہی کے اندر احقر نے اس کے قلب کی طرف توجہ کی، جس کا اثر چہرہ پر نمودار ہوا اور چہرہ کی سیاہی دور ہو کر وہ خاصا حسین ہو گیا اور دل کی اچھی حالت ہو گئی۔

تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ یہ وراثت ہے، شان (معی شیطان لکن اللہ اعانی علیہ فاسلم) کی خدا تعالیٰ یہ وراثت نصیب کرے

حال: پھر میں نے ایک کتاب دیکھی جو خواب میں علامہ شعرانیؒ کی تصنیف معلوم ہوتی۔ اس میں یہ مضمون دیکھا۔

کسی مقام میں سالک کو تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرنا

چاہیے۔ تین دن کے بعد آگے بڑھنا چاہیے۔

قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ تین دن کی تحدید کا کیا مطلب ہے۔ اور تین دن کے بعد ترقی کرنا کیا اپنے اختیار میں ہے؟ غرض اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔

تحقیق: تین ادنیٰ مرتبہ ہے جمع قلت کا یعنی ایام قلیلہ سے زیادہ نہ ٹھہرنا چاہیے۔ اور گو یہ اختیاری نہیں مگر اس مقام کے حصول کے اسباب کہ مشغولی بالذکر والطاعت ہے یہ اختیاری ہیں۔

پس مطلب یہ ہے کہ کسی مقام پر پہنچ کر اس کو آخر مقصود سمجھ کر اس مشغولی میں کمی نہ کرے بلکہ دوام کرے۔ اس سے ترقی ہوگی اور جلدی جلدی ہوگی۔

حال: پھر میں نے ایک باغیچہ دیکھا جو اسماعیل خاں صاحب کا معلوم ہوا اور ایک دو شخص اس میں آم توڑتے تھے اور سونگھ کر پھر وہیں لگا دیتے تھے اور وہ شاخ میں جم جاتے تھے۔ ایک دو آم کھا بھی لیتے تھے۔

تحقیق: اسماعیل ذبیح فانی تھے۔ فناء کا ثمرہ بقاء ہے جو بشکل کلیاً دائم کے نظر آیا۔ ترغیب ہے فناء و بقاء کی۔

حال: پھر میں نے چند نئے آدمی دیکھے جو میرے تیام ...... سے

بہت خوش ہو کر مجھ سے مل رہے تھے اور کہتے تھے کہ:۔

"تم یہاں دل لگا کر رہو"

میں نے کہا:۔

"میرے دل لگنے کا سامان کر دو، وہ یہ کہ میں مدرسہ میں ایک بڑے مجمع میں تھا۔ یہاں مجمع طلبہ کم ہے"

وہ لوگ اس میں مشورہ کرنے لگے کہ ہاں اس کی تدبیر ہونی چاہیئے اور مجھ سے کہا کہ:۔

"ہاں! اس کا انتظام ہو جائے گا"

تحقیق: تمہارے اس تردد کی تسلی ہے۔

صفحہ ۹۸۲

حال: شب شنبہ کو خواب میں دیکھا کہ مولوی ...... کے مکان میں یعنی ماموں صاحب والے مکان میں مجمع ہو رہا ہے۔ حضرت والا بھی تشریف فرما ہیں۔ ایک ممبر رکھا ہوا ہے۔ احقر بعد میں حاضر ہوا۔ اور مجھے ارشاد وعظ کے لیے ہوا تو میں نے اس آیت کا وعظ شروع کیا

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ

قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً الخ

وعظ میں سے اس قدر مضمون یاد رہا کہ:۔

"حق تعالیٰ شانہٗ کی عجیب قدرت ہے کہ اول بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ اگر وہ اول ہی سے مضبوط اور قوی ہوتا ہے تو ماں کے پیٹ سے پیدا نہ ہو سکتا۔ بچہ اول اول ایسا نرم ہوتا ہے کہ اگر اس کے عضو کو موڑنا چاہیں تو مڑ سکتا ہے ہوا لگنے سے اس میں قوت آتی ہے۔ پھر جوانی کے بعد کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

اس میں یہ راز ہے کہ روح کے نکلنے میں آسانی ہو کیونکہ زمانۂ قوت میں روح کے نکلنے سے تکلیف ہوتی ہے اس لیے موت سے پہلے بڑھاپا آتا ہے کہ روح کو نکلنے میں سہولت ہو اور جن کو بڑھاپے میں بھی روح کے نکلنے کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ محض اظہارِ قدرت ہے کہ حق تعالیٰ ضعف میں بھی خروجِ روح سے تکلیف پہونچا سکتے ہیں۔ انتہیٰ"

تعبیر سے مشرف فرمایا جاوے۔

تحقیق بخواب میں آیت کے متعلق عجیب و غریب نکتہ ظاہر ہوا

ایسے منامات بشارت ہوتے ہیں۔ علوم موہوبہ کی حق تعالیٰ مبارک فرمادیں۔

ازصفحہ ۹۸۳

حال: حضرت سیدی مولائی دامت برکاتہم۔ آج رات بعد نماز تہجد ذکر مراقب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مکان مکشوف ہوا۔ جس میں ایک کھڑکی لگی ہوئی تھی۔ حضرتِ والا مکان کے اندر تشریف فرما ہیں اور احقر کھڑکی کے پاس باہر کی جانب ہے۔ حضرتِ والا اندر سے کچھ اشیاء مرحمت فرما رہے ہیں اور ایسے الفاظ ارشاد فرما رہے ہیں۔ جو کہ استخلاف کے وقت مجازین سے فرمائے جاتے ہیں۔ جو اشیاء مجھے مرحمت فرمائی گئی ہیں۔ وہ درخت کی شاخوں کے مشابہ ہیں۔ ایک شاخ عطا فرماتے ہوئے۔ ارشاد فرمایا کہ:۔

"یہ علوم ولایت ہیں"

ایک شاخ مرحمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

"یہ مقامات سلوک ہیں"

پھر کچھ مضمونِ دعا ارشاد فرمایا کہ:۔

"حق تعالےٰ شانہٗ برکت عطا فرمادیں" اور کما قال، انتہی۔

کل شب جمعرات کو خواب میں دیکھا کہ احقر نے ایک کتاب حضرت والا کے سامنے سے مطالعہ کے لیے اٹھائی۔ کھول کر دیکھا تو وہ حضرت والا کی بیاض تھی۔ اس میں ایک مقام کھول کر دیکھا تو اس میں عربی عبارت میں اول حمد الٰہی تھی۔ پھر اما بعد کے بعد احقر کے لیے کچھ وصایا مکتوب تھیں مضمون یاد نہ رہا، دوسرے صفحہ پر پھر حمد الٰہی تھی اور آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ مکتوب تھا۔

اس آیت کے بعد حضرت والا نے ایک نعمت الٰہی کا بیان لکھا تھا جو حضرت پر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے فائض ہوتی پھر اسی آیت کے مضمون کی بابت احقر کو وصیت مکتوب تھی۔ تعبیر سے مشرف فرمایا جاوے۔

تحقیق: تعبیر کا کیا پوچھنا۔ مثالی شکل کے لیے تعبیر کی حاجت ہوتی ہے۔ یہ تو صریح بشارتیں ہیں، اعطائے علوم و اعمال و احوال کی۔ مبارک ہو۔

از صفحہ ۹۹۸

حال: آج رات کو خواب میں دیکھا کہ نماز کی جماعت ہو رہی ہے۔

حضرتِ والا نماز سے علیحدہ ہیں۔ میں جماعت میں شریک ہوں اور
غالباً امام ہوں۔ قرأت جہر سے کر رہا ہوں۔
تحقیق: یہ امامت رہبری ہے سلوک کی۔ جو کہ بوجہ ذریعہ قرب
ہونے کے نماز کی صورت میں متمثل ہوا اور چوں کہ اس رہبری کے
لیے اسماعِ طریق کا مخاطب کو لازم ہے۔ اس لیے قرأت کو بالجہر
دیکھا اور چوں کہ اس رہبری میں میرا تعلق تم سے متبوعیت کا ہے نہ
کہ تابعیت کا۔ اس لیے مجھ کو شریک یعنی مقتدی نہیں دیکھا بلکہ نگرانی
کرتے ہوئے پایا۔ چنانچہ واقعہ بھی یہی ہے۔
حال: اور نماز میں قرآن کے بجائے قضیٰ قضیا قضوا الخ گردان پڑھ
رہا ہوں۔ حضرت نے ذرا تیز لہجہ میں فرمایا کہ :۔

"اس وزن پر مہموز کی گردان بھی تو ہے۔ وہ کیوں
نہیں پڑھتے"

تو میں سوچنے لگا کہ مہموز کی کونسی گردان مراد ہے۔ پھر فوراً میں
نے رآئی۔ رآیا، رآ وا الخ کی گردان پڑھی۔ حضرت خوش ہوتے
معلوم ہوا کہ یہی مراد تھی۔ پھر میں نے اس کا مضارع یریٰ، یرَیان
یرَون پڑھا۔
تحقیق: قضیٰ بمعنی ادا کے ہے۔ یہ اشارہ ہے صدورِ اعمال کی طرف

میرے مشورہ کے معنے یہ ہیں کہ صرف مباشرتِ اعمال پر کفایت نہ کریں بلکہ ان میں مراقبہ مقویت کا بھی لحاظ رکھیں کہ اعمال کی روح بھی ہے۔ مطلب یہ کہ تعلیم و تربیت میں اس کا اہتمام زیادہ رکھیں کہ صورتِ اعمال کے ساتھ ان کی روح بھی ہو۔

حال: تعبیر کچھ سمجھ میں نہیں آئی مگر دل خود بخود کہتا ہے کہ خواب اچھا ہے اور اس میں سلوک کے متعلق کسی امر کی تعلیم ہے۔

تحقیق: ظاہر یہی ہے۔ چنانچہ بے ساختہ میرے قلب پر جو وارد ہوا، میں نے لکھ دیا۔

<u>از صفحہ ۱۰۰</u>

حال: اب الحمد للہ قلب کی وہ حالت نہیں رہی ظلمت کے بعد نور اور موت کے بعد حیات پیدا ہو گئی۔ یہ سچ ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا۔ مغرب کے بعد عشاء تک مسلسل ذکرِ جہر مقرر کر لیا ہے۔ جس میں چھ ہزار تک ہو جاتا ہے اور رات کو بارہ تسبیح کے بعد بھی کچھ ہو جاتا ہے۔

آج رات ایک خواب دیکھا۔ جس کو عرض کرنے کو جی چاہتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس طرح کہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ہے۔ جس میں احقر بھی شامل ہے اور جناب والا کے بہت سے خدام ہیں۔ حضورؐ آگے آگے جا رہے ہیں اور ہم لوگ پیچھے ہیں۔ اتنے میں ایک جوگیوں کی جماعت پر حضورؐ کا گذر ہوا۔ آپ وہاں ٹھہر گئے۔ میں کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔ جلدی کر کے میں بھی جا ملا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ:[۱]

"ان لوگوں سے ملو"

میں نے ان لوگوں سے ہاتھ اٹھا کر سلام کا اشارہ کیا۔ وہ سب اپنی اصطلاح میں کچھ کچھ کہنے لگے۔ (جو گویا سلام کا جواب تھا) اور وہ جوگی ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ جیسے بہت ریاضتیں کئے ہوتے ہیں۔ وہ لوگ ہمارے قلوب کی طرف نظر کرنے لگے۔ اس وقت میں ہنس رہا تھا اور مسرور تھا کہ الحمد للہ ہماری روحانیت حضورؐ کی برکت سے ان لوگوں سے بہت قوی ہے۔ ان جوگیوں نے بھی اس کا اقرار کیا اور وہ جوگی حضورؐ کے ساتھ بہت تعظیم سے پیش آتے۔

اس کے بعد آپ آگے چلے۔ میں بھی ساتھ ہوا۔ پھر میں نے یہ خیال کیا کہ اس بڑے جوگی کو جو اُن کا سردار ہے، ہدایت کرنی چاہیے میں لوٹا اور اس کو اسلام کی تبلیغ کی۔ اس نے وعدہ کیا۔ میں اسلام

---

[۱] اس وقت اپنا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن کر دل بہت مسرور ہوا ۱۲۔

لاؤں گا۔ پھر میں حضورؐ سے جا ملا اور وہ جوگی بھی آیا۔ اس وقت حضورؐ نے فرمایا کہ :۔

"میں خاتم الانبیاء ہوں۔ توریت، انجیل وغیرہ تمام کتب آسمانی میرے ذکر سے بھری ہوئی ہیں"

اس پر اس جوگی نے مجھ سے کہا کہ :۔

"میں حضورؐ کو سچا سمجھتا ہوں اور آپ کی عظمت میرے دل میں ہے۔ مگر ایمان لانا ذرا دشوار ہے اپنی قوم سے ڈرتا ہوں"

اس وقت میں نے جو حضورؐ کو دیکھا تو پہلی صورت نہ تھی بلکہ اس وقت جناب والا کی صورت میں حضورؐ کو دیکھا اور آپ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ :۔

"یہ جوگی لوگ اُدم خدا کو بھی کہتے ہیں اور روپیہ کو بھی اور اس کے معنیٰ قرض کے بھی ہیں"

پھر بیدار ہوگیا اور ایک خاص انشراح قلب میں اب تک ہے۔ تعبیر سے مشرف فرمایا جاوے۔

تحقیق : بعض اجزاء کی تو وہی تعبیر معلوم ہوتی ہے جو آں عزیز نے سمجھی تھی کہ یہ دنیا پر لعنت اور ہندوؤں سے تشبہ کرنے والے لوگوں کی صورت ہے وان زعموا انھم مسلمون یا اس کے قریب

ہو یعنی وہ ہنود جو مسلمانوں کی موافقت کا دم بھرتے ہیں مگر واقع میں
موافق نہیں۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ نے ایسی جماعت کی حقیقت دکھلا
دی۔

اور بقیہ اجزاء کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطمئن کر دیا کہ خواب
دیکھنے والے کی جماعت والے حق پر ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کے کمال درجہ متبع ہیں۔

اور یہ بھی دکھلا دیا کہ جماعتِ غیر محقہ کا اثر جماعتِ محقہ پر نہ ہوگا اور
رہ یہ یعنی دنیا کو مقصود سمجھنا درجہ یحبونھم کحب اللہ میں جو خاص خلاصہ
ہے جماعتِ غیر محقہ کی حالت کا اخیر جزو میں اس طرف اشارہ ہے۔

<u>از صفحہ ۱۰۰۶</u>

حال: یہ چند خوابیں جو آج کل اور اس سے پہلے زبانی آنحضرت سے
عرض کی ہیں۔ ان کو ضبط کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے بذریعہ تحریر پیش
کرتا ہوں۔ حضرت والا اپنی تعبیر بھی قلم بند فرما دیں تو محفوظ ہو جاویں
گی۔ اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔

(۱) ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مولوی ابراہیم صاحب
اندیری کے والد کے پاس بیٹھا ہوں۔ ان کی صورت سے میں آشنا

نہ تھا۔ مگر خواب میں یہی قلب پر وارد ہوا کہ یہ مولوی ابراہیم صاحب
راندیری کے والد ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب نکالی اور مجھ سے
فرمایا کہ:۔

"اس میں مجدد کی دس علامتیں لکھی ہیں"

خواب میں سب علامتوں کو میں نے پڑھا۔ ان میں سے تین
باتیں یاد رہیں:۔

"ضخامۃ الرأس، ششن الکفین، ضخم الکرادیس"

پھر انہوں نے رد کر کے یہ فرمایا کہ:۔

"میں نے ان سب علامتوں کو حضرت مولانا محمد
اشرف علی صاحبؒ میں موجود پایا۔ وہ اس وقت
مجدد ہیں"

۲ ایک دفعہ احقر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اسی طرح کی کہ
ایک بہت بڑا مجمع جس سے میدان بھرا ہوا ہے حضورؐ کا مخالف
اور درپے ایذا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے سلسلہ
کی جماعت ہے جو پہلی جماعت کے سامنے نہایت قلیل ہے احقر
بھی الحمد للہ حضورؐ کے ساتھ ہے۔ آپ اس جماعت کو ساتھ لے
کر ایک چھوٹے سے مکان میں پناہ گزین ہوتے۔ جس میں تین

درہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ :۔

"یا رسول اللہ صلعم! اگر دشمن کا مجمع اس مکان کے اندر گھس آیا تو ہم سب کو ہلاک کر دے گا۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مجمع کے تین حصے کر دیے جائیں۔ ہر دروازہ پر ایک حصہ رہے اور دروازہ ہی پر سے دشمن کو روکے تاکہ اندر نہ آسکے۔"

حضور صلعم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور جماعت کے تین حصے کر دیے۔ چنانچہ اس قلیل مجمع نے دروازوں پر سے دشمن کی مدافعت کی اور کوئی اندر نہ آسکا۔ پھر وہ مجمع منتشر ہو گیا۔

۴۔ آج رات کو خواب میں دیکھا کہ گویا میں گڑھی ہی میں ہوں۔ جمعہ کا دن ہے۔ وہاں گویا مولوی ...... صاحب بھی آئے ہوئے ہیں۔ جمعہ کی نماز کے لیے میں نے ان کو آگے بڑھایا۔ وہ خطبہ لے کر آگے بڑھے تھے، مگر ایک ہندو نے ان کے پاس سے خطبہ چھین لیا اور خود ممبر پر جا بیٹھا۔ مجھے سخت ناگوار ہوا کہ ایک ہندو ممبر رسول پر بیٹھا ہے۔ جب خطبۂ اولیٰ پڑھ چکا تو میں نے اس سے کہا :۔

ارے کمبخت زبان سے اتنا تو کہہ دے کہ میں مسلمان

ہوں ۔

اس نے کہا ۔

" ہاں ہاں میں کہتا ہوں "

لیکن جب دوسرے مسلمانوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تو مسلمان ہے ؟

تو اس نے کہا " نہیں نہیں " ۔ پھر وہ خطبۂ ثانیہ کے لیے کھڑا ہوا تو میں نے خطبہ اس کے ہاتھ سے لے لیا ۔ اور اسے ممبر سے اتار کر خود خطبہ پڑھا ۔ سامعین کی بہت مقدار تھی ۔ سب میرے اس فعل سے خوش ہوئے ۔

۴ آج رات کو دوسرا خواب یہ دیکھا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ پیدا ہوئے ہیں ۔ خواب میں حضور کی زیارت نصیب ہوئی آپ پیدائش کے بعد دوسرے بچوں کی طرح نہیں ہیں ۔ بلکہ آپ کا بدن مبارک ایسا ہے جیسا کہ پانچ چھ برس کے بچہ کا ہوتا ہے ۔ آپ کا چہرہ مبارک بڑا وجیہہ اور شکیل ہے ۔ شانۂ مبارک پر مہر نبوت بھی دیکھی اور سر مبارک پر ایک جھالر سا لٹکا ہوا دیکھا ۔ جس میں عربی خط سے دو سطر میں درود شریف لکھا ہوا ہے ۔ آپ ایک شخص کی گود میں ہیں اور وہ یا کوئی دوسرا شخص محبت میں آپ کو چھیڑ رہا ہے ۔ اور آپ مچل رہے ہیں ۔

میں نے اپنے سب گھر والوں کو بلایا کہ آپ کی زیارت کرو اور اس جہاز کو دیکھو یہ بڑی عجیب چیز ہے۔ چنانچہ سب نے زیارت کی اور خواب میں ایسا معلوم ہوا کہ حضورؐ اسی مکان میں ہیں جس میں آج کل میں رہتا ہوں یعنی مکان میں۔ واللہ اعلم۔

الجواب

خوابِ اوّل: صریح ہے وما ذلک علی اللہ بعزیز اور ضخامت مصدر بمعنی ضخم ہے۔ اور اگر مجدد کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہونا ضروری نہ ہو تو معنی اس کے مشابہت تامہ ہے۔ جس کو اس عنوان سے تعبیر کیا گیا۔

خوابِ ثانی: اشارہ ہے کہ بعد خیر القرون کے اکثر ازمنہ میں خصوصًا اس زمانہ میں مخالفینِ سنت کی کثرت اور متبعین کی قلت اکثر رہی ہے۔ مگر متبعین کے ساتھ حق تعالیٰ کی حمایت بھی رہی ہے

خوابِ ثالث: میں اس زمانہ کی صاف صاف حالت دکھلائی گئی ہے کہ عام مسلمین نے مشرکین کو دینی امور میں متبوع بنالیا ہے مگر اَلْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ کی بھی بشارت دی گئی ہے۔

خوابِ رابع: کے معنی میرے نزدیک یہ ہیں کہ زمانہ حاضرہ کے

غلبۂ باطل کے اضمحلال کے بعد احکامِ شرعیہ کے احیاء کا ایسا شدید انتظام کرنا پڑے گا. گویا وہ از سرِ نو پیدا ہوتے ہیں اور نیز اشارہ ہے اس مکان کے سکان کے اہلِ حق ہونے کی طرف۔

از صفحہ ۱۲-۱۰

حال، جب سے........ کے تعلق کی وجہ سے دوبارہ پریشانی پیدا ہوتی ہے اور اس وقت سے احقر نے حصن حصین کا ورد شروع کر رکھا ہے۔ آج اس کو شروع کیے ہوئے چھ دن ہوتے ہیں۔ رات جو میں عشاء کے بعد حصن حصین پڑھ کر سو رہا تو عجیب خواب دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہے اور حضرت قبلہ مولینا......کی جماعت بھی ہے اور ہم خدام بھی ہیں۔ حضرت........کی جماعت میں سے بعض لوگوں نے ہم خدام کو بنظرِ حقارت دیکھا اور شاید کچھ اعتراض بھی کیا۔ اس پر مجھے جوش ہوا اور میں نے مولوی ــــ صاحب سے کہا کہ:

"حضور! سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابدالآبدین
سے عرض کرو کہ ہم خدام کو حوضِ کوثر کا پانی پہلے پلا دیں"

اور نیت یہ بھی کہ دوسروں پر تا کہ ہماری حقانیت واضح ہو جائے۔ چنانچہ موصوف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کیا

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً حوض کا پٹ کھول دیا اور اس وقت ایسا معلوم ہوا کہ حوض کے اوپر کوئی پٹ پڑا ہوا تھا جس سے وہ مستور تھی۔ اور حضورؐ نے ہم خدام کو اجازت دی کہ تم پہلے سیراب ہو جاؤ۔ چنانچہ ہم سب خدام حوض پہ جا پڑے۔ احقر نے تو حوض میں منہ ڈال دیا اور خوب پیا۔ اس پانی کی لطافت و شیرینی عرض نہیں کر سکتا۔ اب تک مزہ آرہا ہے۔

اس وقت کچھ دوسری جماعت کے لوگ بھی حوض پر آ گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب والا کی طرف اشارہ فرما کر (مجھ کو یہی یاد ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حوض کوثر پر کھڑے ہوئے تھے) ارشاد فرمایا کہ:۔

"پہلے مولانا اشرف علی صاحب کی جماعت سیراب ہو جائے۔ پھر دوسروں کو ملے گا۔"

اس پر ہم خدام کو بے حد مسرت ہوئی۔ پھر آنکھ کھل گئی تو صبح قریب تھی۔ والسلام۔

میرا دل چاہتا ہے کہ اس عظمت و مقبولیت پر حضرت والا کو بے حد مبارک باد دوں۔ اطال اللہ بقاءکم و متعنا بانفاسکم القدسیۃ آمین

تحقیق: ماشاء اللہ، تبارک اللہ، سبحان اللہ، خواب ہے کہ بشارت لاجواب ہے جس میں صریح دلالت ہے اس جماعت کے محق ہونے پر۔ گو دوسری جماعت بھی۔ بشرطیکہ منکرات سے محفوظ ہوں ماجور ہیں مگر مصیب فی الاجتہاد کا مخطی فی الاجتہاد پر تقسم واضح کر دیا گیا۔ مرئی لہم کے ساتھ رائی کو بھی مبارک باد ہو۔

ثَبِّتْنَا اللّٰهُمَّ اَبَدًا اَبَدًا عَلٰى مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى

وَاجْعَلْ اٰخِرَتَنَا خَيْرًا مِّنَ الْاُوْلٰى

از صفحہ ۱۰۷۵

حال: البتہ اس حالت میں چند خواب عجیب و غریب دیکھے۔ مولوی بچھرایونی کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام حضرت کو پہونچایا۔ جو پوری طرح یاد نہیں رہا۔ غالباً یہ تھا کہ:-

"میں تمہارے ساتھ ہوں"

حضرت والا کو اس پیغام سے بہت مسرت ہوئی اور مجھے فرمایا کہ:-

...... یہ مولوی ...... بھی بڑی اچھی حالت

میں ہیں۔

احقر نے عرض کیا:۔

"واقعی طریق میں وسیع النظر ہیں"

حضرت نے فرمایا:۔

"اس کے علاوہ اور بات بھی ہے۔ یہ ایسے ہیں جیسے فرشتہ ہو یا جنت کا آدمی"

تحقیق: تشبیہ خاص صفت میں ہے کہ قلب کا غل سے خالی ہونا ہے۔

حال: پھر حضرت نے فرمایا کہ:۔

"میں نے حق تعالیٰ سے استدعا کی تھی کہ میرے احباب کے مثل احوال و مقامات مجھے بھی عطا فرما دیں"

تحقیق: اس میں دو امر پہ دلالت ہے۔

۱۔۔۔ ایک اپنے احباب کا بفضلہ تعالیٰ احوال و مقامات سے مشرف ہونا۔

۲۔۔۔ دوسرا میرا یہ اعتقاد کہ میں اپنے کو ان سب کمالات سے خالی سمجھتا ہوں اور واقعی میں اپنے کو ایسا ہی سمجھتا ہوں اور خدا کرے ہمیشہ یہی اعتقاد رہے کہ تواضع مطلوب کے

آثار سے ہے۔ اب خواہ یہ اعتقاد مطابق واقعہ کے ہو یا نہ ہو، ہر حال میں یہ اعتقاد اس لیے نافع ہے کہ اس اعتقاد سے طلب ناشی ہوتی ہے، جو کہ مطلوب ہے۔

حال: اس کے بعد ان مقامات کی تفصیل بھی فرمائی جو مجھے یاد نہیں رہی کہ حق تعالیٰ نے ہر ایک کے جواب میں یہی فرمایا کہ:

"جنت میں سب مل جائیں گے"

تحقیق: اگر وہ اعتقاد مطابق واقع کے ہے تو اس وعدہ میں عطا کا وقت ہے اور اگر مطابق واقع کے نہیں تو اس وعدہ میں ظہور کا وقت ہے۔ اور چونکہ عطا مذکور سے مقصود بھی ظہور مذکور ہی ہے۔ اس لیے دونوں کا حاصل متحد ہے اور طریق کے تعدد یا اختلاف میں عبد کا کیا دخل ہے۔ فافہم فانہ علم عظیم۔

حال: دنیا میں تو یہ ملے گا کہ بے فکری سے رزق لیے جاؤ۔

تحقیق: یہ محتاج تفسیر ہے، بے فکری کی حقیقت وہ ہے جس کو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اس آیت میں "خالصۃ" سے تعبیر فرمایا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ

لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

اس خالصہ کی تفسیر میری تفسیر بیان القرآن میں دیکھی جاوے اور
اگر دوسرے مفسرین کے اقوال دیکھ کر دیکھا جاوے تو حفظ عظیم میسر ہو
بس بے فکری کی اس تفسیر سے اس بشارت کا عظیم و جامع ہونا معلوم
ہوگا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء ولو لم اكن اهلا
لذالك۔

حال: دوسرا خواب آج رات دیکھا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی زیارت
نصیب ہوئی۔ وہ احقر سے فرما رہے ہیں کہ:-

"میں مجدد ہوں اور حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا دل بھی
مجھ جیسا تھا۔ بہت سفید اور صاف تھا اور اب مولانا اشرف
علی صاحبؒ کا دل بھی مجھ جیسا ہے۔ ان کے انوار اور علوم میرے
مثل ہیں۔ پھر تم ان کے علوم کو کیوں نہیں لکھتے"

اب ارادہ کر رہا ہوں کہ بعد ظہر سے ملفوظات انشاء اللہ ضرور سنا
اور لکھا کروں گا۔

تحقیق: مستحسن ہے اور وجہ تشبیہ ان علوم کا حق اور صحیح سنن ہونا ہے۔

حال: ایک خواب اس سے قبل عرض کر چکا تھا - اب لکھ ہی دیتا ہوں
تاکہ محفوظ رہے۔

ایک مسجد میں کوئی واعظ وعظ کہہ رہے ہیں۔ اثنائے وعظ میں

انہوں نے کہا کہ :۔

"اس وقت اس مجمع میں تین شخص نبی ہیں"

حضرت والا نے فرمایا کہ :۔

"میں صاف کہہ دوں۔ میں موسیٰ ہوں اور راحقر کی طرف اشارہ فرمایا کہ) یہ عیسیٰ ہیں اور مولوی ..... صاحب کی طرف اشارہ کرکے تیسرے نبی کا نام لیا جو مجھے یاد نہیں رہا"

تحقیق : ظاہر ہے کہ مقصود تشبیہ ہے شیون خاصہ میں اور ظناً وہ شیون یہ ہیں۔ شان موسوی عشق و محبت حق جو منشا ہوا تھا قول "رب ارنی" کا اور حمیت دینیہ لوں حدت کی سا تھ۔ جیسا حضرت کے واقعات کثیرہ سے ظاہر ہے دلعل وجہ وجوہما فی المشبہ غیر مخفیٰ شان عیسوی رفق حلم اور نیابت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی۔ بالخصوص تربیت باطن میں، اور جن نبی کا نام نہیں لیا۔ وہ غالباً ہارون علیہ السلام ہیں۔ شان ہارونی نیابت حضرت موسیٰ علیہ السلام بالخصوص تبلیغ علوم نافعہ میں اور دونوں

لہ یہ وہی بات ہے جس کو حضرت حکیم الامۃؒ نے انتقال سے دو دن پہلے ایک تحریر میں ظاہر فرمایا ہے۔ اس کے الفاظ یہ تھے ھنیئاً لکم ، نموذج اٰیۃ وجعلنٰھا وابنھا اٰیۃ للعٰلمین یہ تحریر مجھے دیکر پوچھا سمجھ گئے؟ میں نے عرض کیا۔ پہلا لفظ نہیں پڑھا گیا۔ فرمایا ھنیئاً لکم مبارکباد۔ عرض کیا۔ اب سمجھ گیا۔ ۱۲ ظ

اخیر مشبہ اول مشبہ کی اعانت کر رہے ہیں۔ مشبہ ثانی تربیت باطن میں اور
مشبہ ثالث مواعظ کی خدمت میں۔ جو کہ عامہ کے لیے بالخصوص نافع ہیں۔
اور یہی امر قرینہ ہے تعبیر سے نبی کے نام کی تعیین کا۔ اور اگر یہ مشبہ صرف
حالتِ وقتیہ کے اعتبار کے ساتھ خاص نہیں تو عجب نہیں کہ مشبہ ثالث
سے یہ خدمت مواعظ کی آئندہ بھی زیادہ ظہور میں آوے۔ چنانچہ میں نے
اس خیال کو تازہ تتمہ تنبیہات میں ظاہر بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم

متفرقات

فصلِ اوّل

میں ۱۳۵۹ھ میں تھانہ بھون سے ڈھاکہ چلا گیا تھا تو احکام القرآن کی تالیف میں خلل واقع ہو گیا اور کچھ عرصہ تک اس کی تالیف کا سلسلہ بند رہا۔ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ میں حضرت حکیم الامتؒ نے اس سلسلہ کے بند ہونے پر افسوس ظاہر کیا تو میں نے پھر اس کو شروع کر دیا۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور ۳۰ ربیع الاول بروز جمعہ اس کام کے شروع ہونے کی خوشی میں خانقاہِ امدادیہ میں جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس میں حضرت نے عربی میں حسب ذیل خطبہ دیا:۔

الحمد لله الذی وفق	اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس
لجمع اشارتی این اختی	نے میرے اشارہ پر میرے
الذی هو باذن الله	بھانجہ کو جو بحمد اللہ علوم دین
تعالیٰ لعلوم الدین	کا سرچشمہ ہیں اور طالبان خیر
ینبوع ولوراد الخیر	کے پیشوا جو مولوی ظفر احمد

متبوع المشتهر
بالمولوي ظفر احمد
تاليف هذا المجموع
الذي هو التشييد
المذهب الحنفي
الاصل منه والفروع
بالقرآن الحكيم
موضوع كما ان اعلاء
السنن الذي صنفه
قريباً هذا
الغرض مؤلف و
مصنوع وكلاهما
بحمد الله تعالى مع
التحقيق والتدقيق
مقرون ومشفوع
وعند اهل البصيرة
مقبول ومسموع و

کے نام سے مشہور ہیں۔ اس
کتاب کی تالیف کی پھر توفیق
دی جس کا موضوع قرآن حکیم
سے مذہب حنفی کے اصول و
فروع کی تائید ہے جیسا اس
سے پہلے قریب زمانہ میں اسی
غرض کے لیے وہ اعلاء السنن
تصنیف کر چکے ہیں دونوں
کتابیں بحمد اللہ تحقیق و تدقیق
سے لکھی گئی ہیں اور اہل البصیرت
کے نزدیک مقبول و مسموع
پسندیدہ اور مرغوب ہیں اور
اللہ تعالیٰ اس کو تکمیل تک
پہونچائے اور میرے لیے
اور ان کے لیے آخرت کا
ذخیرہ بنائے جس دن موصول
مقطوع سے اور مرحوم محروم

مرضی و مطبوع کملہ اللہ	سے ممتاز ہو جاتے گا۔
تعالیٰ وجعلہ لی ولہ ذخرا	اپنے نبی کریمؐ کی برکت سے
الیوم یبتان فیہ الموصول	جن کا مرتبہ بہت بلند اور ذکر
من المقطوع والمرحوم	جمیل مرفوع و بالا ہے۔ میں
من الممنوع ببرکۃ	ہوں اپنے رب کی رحمت
نبیہ الکریم الذی	کا امیدوار اشرف علی
قدرہ عال وذکرہ	اللہ تعالیٰ اس کے ہر
مرفوع وانا العبد	اس فعل کو معاف فرمائیں،
المفتقر الی رحمۃ ربہ	جو خلاف شرع صادر
اشرف علی غفرلہ	ہوتے ہوں۔
کل ما جناہ من غیر	- - - - - - - - - -
المشروع۔	- - - - - - - - - -

اس کے بعد حضرت نے میرے لیے اور اس کتاب کے لیے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اخلاص عطا فرمائیں اور اس کتاب کو کمال تک پہونچا کر قبول تام سے نوازیں۔

ناظرین سے بھی التماس ہے کہ اس کتاب کی تکمیل کے لیے خاص طور

سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی ——— توفیق مزید عطا فرمائیں
اور میرے ہاتھوں اس کو پورا فرمائیں۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

فصل دوم

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامۃؒ قدس سرہٗ کی طرف کیسے
رجوع ہوئے؟ یہ بھی ایک پُر لطف داستان ہے۔

بندہ نے ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ میں ایک رسالہ عربی میں بنام کشف الدجا
عن وجہ الربا ایک استفتاء کے جواب میں لکھا تھا جو صدارتِ عالیہ
حیدر آباد دکن سے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے پاس آیا تھا۔ نام کو تو
وہ استفتاء تھا مگر درحقیقت فتویٰ تھا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ:۔

"ربا (سود) صرف بیع و شراء کی صورت میں ہوتا ہے۔
قرض میں زیادہ لینا دینا سود نہیں"

چونکہ یہ ایک عجیب دعویٰ تھا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا
اور اس سے عالم اسلام میں گمراہی پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے حضرت
حکیم الامۃ نے فرمایا کہ:۔

اس کا جواب ضرور دیا جائے اور چونکہ استفتاء عربی

میں ہے۔ جواب بھی عربی میں لکھا جائے"

بندہ نے حکم کی تعمیل کی اور دو جزو میں جواب مکمل ہوگیا۔ جو مع ترجمہ کے رسالہ "النور" تھانہ بھون میں شائع ہوگیا۔

حضرت نے فرمایا کہ :۔

" اس رسالہ پر علماء ہندوستان کی تصدیقات بھی حاصل کر لی جائیں تاکہ یہ فتنہ آگے نہ بڑھنے پائے۔

بندہ نے رسالہ "النور" کی بہت سی کاپیاں علماء کے نام ارسال کیں، پھر میں نے عرض کیا کہ

"اس کی ایک کاپی مولانا سید سلیمان ندوی کے نام بھی بھیج دوں کہ وہ بھی آج کل ایک طبقہ میں معتمد علیہ شمار ہوتے ہیں؟"

فرمایا :۔

"کیا حرج ہے۔ ایک کاپی ان کو بھی بھیج دی جائے"

اس رسالہ کے اردو ترجمہ پر حضرت حکیم الامتؒ کا نام تھا۔ اس لیے مولانا سید سلیمان ندوی اس کو حضرت ہی کی تالیف سمجھے اور ایک خط حضرت کی خدمت میں ارسال کیا جس میں لکھا تھا کہ :۔

"میں عرصہ سے اپنی اصلاح باطن کے لیے جناب والا کی طرف رجوع کرنا چاہتا تھا مگر ہمت نہ پڑتی تھی کہ رسالہ

کشف الدجا عن وجہ الربا حضرت کی طرف سے میرے نام
پہونچا۔ اس نے میرے لیے مکاتبت کی راہ کھول دی۔
اپنے باطنی حالات تو بعد میں عرض کروں گا۔ اس
وقت اس رسالہ کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس کی
عربیت بہت اعلیٰ درجہ کی ہے جیسی علماء سلف کی عربی ہوتی
ہے اور اس میں طریق استدلال بھی بالکل مجتہدانہ ہے۔ میں
اس سے حرف بحرف متفق ہوں۔ اب ارشاد فرمایا جائے کہ
اس پر تقریظ اردو میں لکھوں یا عربی میں؟"
حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ :-
"یہ رسالہ مولوی ظفر احمد کا لکھا ہوا ہے۔ میری اس پر
تصدیق ہے۔ مولوی ظفر احمد کی عربیت کا میں پہلے سے معتقد
ہوں مگر مجھے خود عربی نہیں آتی۔ اس لیے میرا اعتقاد ذوقی
نہ تھا۔ اب ایک ماہر عربیت نے تصدیق کر دی ہے، تو
واقعی قابلِ اعتبار ہے۔
تقریظ کے بارے میں اختیار ہے جو صورت آسان
ہو، اختیار فرمائیں۔"
اس کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی نے اس رسالہ پر بہت مفصل

مدلل تقریظ عربی میں لکھی جو "اعلاء السنن جلد چہاردہم" میں چھپ گئی ہے۔

پھر مولانا سید سلیمان صاحبؒ نے تربیت باطن کے لیے حضرت حکیم الامتہؒ کی طرف رجوع کیا اور سلسلہ مکاتبت جاری ہو گیا۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔

پھر جب حضرت حکیم الامتہؒ علیل ہو گئے اور علاج کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے تو مولانا سید سلیمانؒ حضرت سے ملنے تھانہ بھون تشریف لائے۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں سامان رکھا اور حوض پر وضو کر کے نماز پڑھنے لگے۔ میں اپنی جگہ بیٹھا ہوا تالیف اعلاء السنن میں مشغول تھا۔ اس لیے پہچان نہ سکا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ نماز سے فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائے تو میں نے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ طرفین سے سلام و مصافحہ ہوا تو میں نے نام دریافت کیا۔ فرمایا:

"میرا نام سلیمان ہے۔"

میں نے کہا:

"ذرا اور وضاحت کیجیے۔"

فرمایا:

"سلیمان ندوی۔"

اب میں نے بڑی فرحت و مسرت کے ساتھ معانقہ کیا اور کہا:

"میرا دل تو کہہ رہا تھا کہ آپ سید سلیمان ندوی ہیں، مگر جان پہچان نہ ہونے کے سبب یقین نہ تھا۔ الحمد للہ میرا خیال صحیح نکلا"

پھر میں نے آپ کا سامان اپنے گھر پہونچوا دیا اور وہیں اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور بتلا دیا کہ :-

"حضرت حکیم الامتؒ تو اس وقت آپ ہی کے قریب لکھنؤ میں شفاء الملک کے زیر علاج ہیں"

فرمایا:-

"میں اس وقت بھوپال سے آرہا ہوں۔ اس لیے لکھنؤ جانا نہیں ہوا"

پھر کانگریس اور مسلم لیگ اور پاکستان کے متعلق باتیں ہوئیں اور مولانا رات ہی کو تشریف لے گئے۔

پھر حضرت حکیم الامت کی وفات سے چند دن پہلے تھانہ بھون تشریف لائے اور ایک دن ٹھہر کر واپس ہوگئے۔ اسی نوبت میں حضرت حکیم الامت نے اپنی کتاب "البوادر والنوادر" ان کے پاس بھیجی کہ اس کتاب پر کام کریں۔ وہ اس کا مطلب نہ سمجھے تو میں نے کہا:-

"حضرت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مشکل مضامین

کو اپنی عبارت میں آسان کر کے بیان کریں:۔

پھر مولانا سے حضرت حکیم الامت کے انتقال کے بعد ضلع سورت میں ملاقات ہوئی۔ پھر وہ بھوپال سے قطع تعلق کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں کے حالات کی تفصیل مع دیگر سوانح حیات کے "سیرت سلیمانؒ" میں طبع ہو گئی ہے۔ یغفر اللہ لنا ولہ و رفع درجاتہ فی اعلیٰ علیین۔

فصل سوم

فہرست مجازین

اس میں ان حضرات کے نام ہیں جن کو بندہ نے اجازت و خلافت دی ہے:۔

۱۔ مولانا شمس الحق فرید پوری صدر جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ
اسی ماہ ذی تعدہ ۱۳۸۹ھ میں ان کا اپنے وطن میں انتقال ہو گیا

۲۔ مولوی حبیب اللہ صاحب میمن سنگھ جو آج کل سراج گنج کے سرکاری اسکول میں تعلیم دیتے ہیں۔

۳۔ صوفی صدیق الرحمٰن مدرس جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ۔

۴ــــ مولوی احمد حسین صاحب سلہٹی

۵ــــ مولوی نذیر حسین صاحب "

۶ــــ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی جیکب لائن کراچی۔

۷ــــ منشی علی محمد صاحب اسلام پورہ ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور یہ میرے پہلے مجاز ہیں۔

۸ــــ مولوی حافظ عباس علی صاحب معرفت قمر الزمان سیکنڈ اسسٹنٹ ٹیچر نعمت ایم ایف پی سکول پوسٹ نندی گرام ضلع بوگرہ (برائے عوام۔)

۹ــــ مولوی عبد الشکور صاحب ترمذی مہتمم مدرسہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودہا مغربی پنجاب

۱۰ــــ مولوی طیب اللہ صاحب مہتمم مدرسہ حافظیہ ضلع ڈھاکہ (برائے عوام)

۱۱ــــ مولوی محمود داؤد ہاشم مفتی بہ ماڈرسٹی سورتی جا مع مسجد رنگون

ف: یہ حضرت حکیم الامت کے مجاز صحبت تھے۔ میں نے مجاز بیعت بھی کر دیا ہے۔

۱۲۔ مولانا محمد شفیع صاحب مضافات ڈھاکہ

۱۳۔ مولانا محمد عبد الرزاق ظفری کملائی شیخ الحدیث
مدرسہ دار العلوم شاہ آباد ضلع جیسور (مشرقی پاکستان)

تنبیہ: بعض حضرات کے پتے مکمل محفوظ نہیں رہے۔ اس لیے ناقص ہی لکھ دیے گئے۔ پھر کسی وقت مکمل پتے دے دیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے فیوض کو عام و تام فرمائیں اور مجھے بھی اس کا اجر عطا فرمائیں۔ آمین والحمد للہ رب العالمین۔

تمت بالخیر

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۱ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ

مجلس صیانۃ المسلمین

کے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ارشاد گرامی

مجلس صیانۃ المسلمین جس کے بانی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ہیں اور جس کی نشاۃ ثانیہ آپ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ جلیل احمد صاحب قدس سرہ کے ہاتھوں پاکستان میں ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

ایک بار اس کا تذکرہ تھا کہ وہ کون سے اسباب ہیں کہ جن کو اختیار کرنے سے مسلمان موجودہ پستی اور تنزل سے نجات حاصل کر کے ترقی حاصل کر سکتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ بفضلہ تعالیٰ ایسی تدابیر موجود ہیں اور ان کو ضبط کر کے افادہ عام کے لیے شائع بھی کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابھی کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے مسلمانوں کی موجودہ تباہی اور بربادی سے بے چین ہو کر دو کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام نظام صیانۃ المسلمین اور دوسری کتاب کا نام حیات المسلمین ہے۔ ان دو کتابوں کے اندر میں نے ان مصائب کا جو اس وقت مسلمانوں پر آ رہے ہیں پورا پورا علاج درج کر دیا ہے۔ تو مسلمان پہلے ان ہی دو کتابوں پر پورا پورا عمل کر کے دیکھیں کہ ان کو کتنا نفع ہوتا ہے مگر مشکل تو یہ ہے کہ لوگ عمل تو کرتے نہیں بس شکایت کرتے ہیں کہ علماء ہماری طرف توجہ نہیں کرتے۔ (ملفوظات ۲۸۵ ص ۶۷)